



# مقالات سيرت

پانچویں قومی سیرت کانفرنس

۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ  
۲۰۱۹ جنوری ۱۹ء



شعبہ تحقیق و مراجع

وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان  
اسلام آباد

۲۹۹۲۶۶۹۲۱

۲۸۲ پ

۲۴۷۶۵

ترتیب:

پروفیسر امتیاز احمد سعید

ڈاکٹر سید مطلوب حسین

۴۴

ناشر: وزارت مذہبی امور، اسلام آباد

مطبع: ادارہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد

## فہرست مضامین

۹	سیکرٹری وزارت مذہبی امور	پیش لفظ	۱
۱۳	وفاقی وزیر مذہبی امور	خطبہ استقبالیہ	۲
۱۷	جناب جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان	خطبہ افتتاحیہ	۳
۲۹	جناب ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ	کلیدی خطبہ	۴
۴۰	جناب جسٹس صلاح الدین احمد	صدارتی خطاب نشست اول	۵
۴۷	جناب جسٹس کریم اللہ خاں درانی	صدارتی خطاب اختتامی نشست	۶
		<u>مقالات</u>	
۶۲	جناب جسٹس (ریٹائرڈ) سید جمیل حسین رضوی	سیرت مصطفیٰؐ میں عصر حاضر کے لئے پیغام	۷
۶۶	پروفیسر حافظ احمد یار	سیرت مصطفیٰؐ میں عصر حاضر کے لئے پیغام	۸
۷۷	پروفیسر عبد القیوم	معاشرے کی تشکیل میں سیرت النبیؐ کی اہمیت	۹
۸۷	پروفیسر غازی احمد	سیرت مصطفیٰؐ میں عصر حاضر کے لئے پیغام	۱۰
۹۸	ڈاکٹر خالد علوی	حضور اکرمؐ مری و مزکی	۱۱
۱۱۱	جناب حافظ نذر احمد	حضرت محمدؐ سب کے اور سب کے لئے	۱۲
۱۲۰	جناب سید فیضی	اتباع رسولؐ کیوں؟	۱۳
۱۲۴	پروفیسر محمد اسلم	حضور نبی اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ سب کے لئے ضروری ہے	۱۴
۱۳۷	جناب لفٹینٹ کرنل عبد الغفور	سیرت مصطفیٰؐ میں عصر حاضر کے لئے پیغام	۱۵
۱۴۷	پروفیسر عبد الجبار شیخ	سیرت مقدسہؐ کا ابدی پیغام	۱۶
۱۶۰	ڈاکٹر محمد سعید	فطری نظام حیات کا نفاذ	۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ

اَسْوَةٌ حَسَنَةٌ

”بے شک تمہارے لئے رسول اللہ میں

بہترین نمونہ ہے۔“

# ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہری میں بار بار روح پرور بہاریں اچکی ہیں۔ چرخِ نادرہ کارنے کبھی کبھی بزمِ عالم  
اس سر و سامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

لیکن آج کی تاریخ وہ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ بیتارگان  
فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشمِ براہ تھے چرخِ کہن مدہائے دراز سے اسی صبح جان نواز کے لئے  
بیل دہار کی کر ویش بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزمِ آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیوں، ماہ و خورشید  
کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ،  
معجز طرازیِ موسیٰؑ، جان نوازیِ سیحؑ، سب اسی لئے تھا کہ یہ متاعِ گراں ان شہنشاہِ کونین صلی اللہ  
علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جان نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دورِ فرخ خان ہے۔ اربابِ سیر  
اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۷ کنگرے گر گئے، آتشکدہ  
فارس بجھ گیا، دریا تے سادہ خشک ہو گیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکت  
روم، اوجِ چین کے قصر ہاتے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ حجمِ شر، آتشکدہ کفر  
آذرکدہ گر ہی سر ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدہ سے خاک میں مل گئے۔ شیرازہ  
مجوہریت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحیدِ غلغلہ اٹھا  
چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی۔ آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اخلاقِ انسانی کا آئینہ  
پر تو قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیمِ عبداللہ، جگہ گوشہ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانبروارے عالم، شہنشاہِ کونین عالم  
قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے، عزت و اجلال ہوئے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

(علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی جلد دوم صفحہ ۱۶۱-۱۶۲)



# قومی سیرت کانفرنس

۷

## مقاصد

- ۱۔ حضور ختم المرسلین و افضل النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ عقیدت پیش کرنا، جن کی بدولت بنی نوع انسان کو کفر کی ظلمت سے نجات اور ہدایت کی روشنی سے تمتع نصیب ہوا۔
- ۲۔ عہد جدید کے انسان کی مدد کرنا تاکہ وہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں اپنے کردار و سیرت کی تشکیل کر سکے اور عہد حاضر کے مسائل کا حل تلاش کر سکے۔
- ۳۔ نوجوان دانشوروں اور محققوں میں اسلام کی صحیح روح بیدار کرنا تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدی پیغام کو نہایت مؤثر اور مناسب طور سے دنیا میں پھیلا سکیں۔
- ۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ عالمگیر آفاقی قدروں مثلاً اخرت، عدل اور احسان کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کی سوانح اور سیرت طیبہ کی تعلیم و تحقیق کی حوصلہ افزائی کرنا۔
- ۵۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لاعلمی پر مبنی غلط فہمیوں اور تعصبات کو دور کرنے کے لئے مناسب و مؤثر طریق کار وضع کرنا۔

## کانفرنس کا مرکزی خیال

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں عہد حاضر کے لئے پیغام“

## پیش لفظ

تَحْمَدًا وَصَلَّى عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بیتھمہ آخرا الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عالم اسلام کے علاوہ دنیا کے تقریباً تمام ممالک اور تمام اہم زبانوں میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اگر کسی دوسری شخصیت یا دوسرے عنوان کو موضوع سخن بنایا جاتا تو یقیناً اس پر مزید لکھنے کی گنجائش نہ رہتی لیکن سیرت مبارک ایک ایسا موضوع ہے جس پر ضخیم اور بسیط کتابوں کے باوجود ہل من مذبذب کی گنجائش رہتی ہے، اور عاشقانِ رسول نے سے نئے انداز میں کچھ نہ کچھ سننے کے لئے ہمد تن شوق نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ابدی پیغام ہے ہی، لیکن آپ کی ذات ستروہ صفات نے زندگی کے تمام گوشوں پر اپنے نقوش اتنے گہرے چھوڑے ہیں کہ کہ آپ کی شخصیت ہر دور کے انسان کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ آج کی ماویٰ دنیا میں انسان جتنے بھی مسائل سے دوچار ہے۔ ان کے لئے سیرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر ایک اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ سیرتِ طیبہ کی نشروانشاعت کے لئے بھرپور کوشش کرے۔

اس مبارک مشن کو سامنے رکھتے ہوئے وزارت مذہبی امور ہر سال باقاعدگی کے ساتھ بارہ بریج الاؤل کے روز سید قومی سطح پر سیرت کا نفرنس کا انعقاد کرتی ہے۔ جس کا آغاز ۱۹۷۶ء میں پہلی بین الاقوامی سیرت کانگریس سے ہوا۔

ان اجتماعات میں قومی اور بین الاقوامی شخصیت کے حامل علماء مشائخ اور دانشور حضرات کو انہما خیال کی دعوت دی جاتی ہے جو محدود وقت میں سیرت کا پیغام ملت اسلامیہ تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۳-۱۲ بریج الاؤل ۱۴۰۱ھ کو وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام اسلام آباد میں پانچویں قومی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی جس کا افتتاح صدر محترم جنرل محمد ضیاء الحق نے قومی اسمبلی



ہال اسلام آباد میں کیا۔ اس کانفرنس میں تقریباً پانچ سو مہمانوں نے شرکت کی جن میں کئی اسلامی حکومتوں کے سفراء و فاقی وزراء، اعلیٰ حکام، معززین شہر، مشائخ عظام، علمائے کرام اور دانشوران اعلام شامل تھے۔ صدر گرامی کے افتتاحی کلمات کے بعد ملک کے ممتاز دانشور جناب ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، چیئر مین دائرہ اردو و معارف علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اپنا فاضلانہ کلیدی خطبہ پیش کیا۔

افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات سیرت کے تین اجلاس منعقد ہوئے جن میں سے پہلا اجلاس جناب جسٹس صلاح الدین احمد چیئر مین فیڈرل شریعت کورٹ اسلام آباد کی زیر صدارت اسی شام تین بجے کے قریب شروع ہوا۔ اس اجلاس میں تقریباً دس مقالے پڑھے گئے اور سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ چند ایک کے علاوہ تقریباً سبھی مقررین نے کانفرنس کے موضوع کے تحت سیرت طیبہ اور عصر حاضر کے کسی نہ کسی عنوان پر سیرحاصل بحث کی۔

مقالات سیرت کا دوسرا اجلاس ۲۰ جنوری صبح ۹ بجے شروع ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت جناب جسٹس شمیم حسین قادری چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ نے کی۔ یہ اجلاس ۱۱ بجے مختصر وقفے کے بعد تقریباً ایک بجے تک جاری رہا۔ جس میں مندوبین کرام کے علاوہ اسلام آباد کالج کی طالبات نے بھی شرکت فرمائی۔

مقالات سیرت کا آخری اجلاس شام تین بجے شروع ہوا، جو عصر اور مغرب کی نمازوں کے وقفوں کے ساتھ شام آٹھ بجے تک جاری رہا۔ اجلاس کی صدارت جناب جسٹس کریم اللہ درانی رکن فیڈرل شریعت کورٹ اسلام آباد نے کی۔ اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ مقررین کانفرنس کے علاوہ بعض مشائخ عظام اور علمائے کرام نے بھی حاضرین محفل کو خطاب کیا۔ اجلاس کے آخر میں ایوان کی طرف سے بعض تجاویز بھی پیش کی گئیں جو حکومت کے زیر غور ہیں۔

آج کے دور میں انسان کے پاس اپنی گونا گوں مصروفیتوں کی وجہ سے مطالعہ کے لئے بہت کم وقت بچتا ہے، جس میں سیرت رسولؐ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کا ضخیم کتب سیرت کی

طرف رجوع کرنا اور ان سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے وزارت مذہبی امور کی یہ کوشش رہتی ہے کہ قومی سیرت کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات کو ترتیب دیکر ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ سیرت کا قاری تھوڑے وقت میں متعلقہ مسئلے کے بارے میں مختلف موضوعات پر علماء و دانشوران کرام کے خیالات سے مستفید ہو سکے۔ اس سال کانفرنس کا مرکزی موضوع ”سیرت رسولؐ میں عصر حاضر کے لئے پیغام“ تھا۔ زیر مطالعہ کتاب میں اس کانفرنس میں پڑھے جانے والے مختلف مقالات کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ جس مقصد کے تحت وزارت مذہبی امور ان مقالات کی اشاعت کا اہتمام کر رہی ہے وہ انشاء اللہ کافی حد تک اس کتاب کے مطالعہ سے پورا ہو سکے گا۔

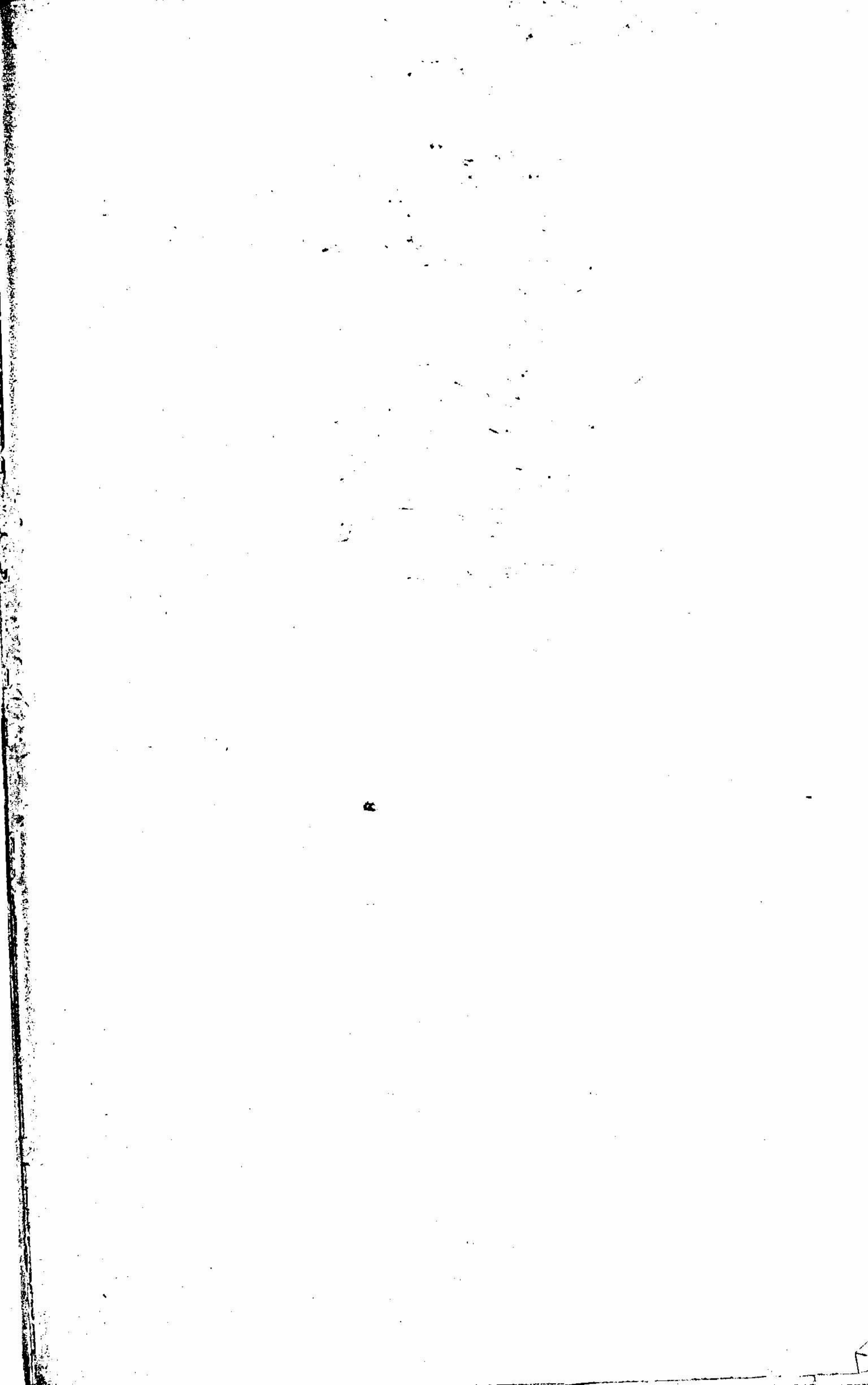
عرفان احمد امتیازی

سکیٹری

وزارت مذہبی امور۔ اسلام آباد

۱۲۔ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

۱۹۔ جنوری ۱۹۸۱ء



# خطبہ استقبالیہ

(جناب محمود اے مارون، وفاقی وزیر مذہبی امور)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مُحَمَّدًا وَنَصَّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

صدر محترم، مہمان گرامی، معزز خواتین و حضرات! السلام علیکم  
 سب سے پہلے میں اس بات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں نہ تو عالم دین ہوں، نہ  
 ہی مفکر اسلام اور نہ ہی مجھے اس بات کا دعویٰ ہے کہ میں دینی علوم میں بہت زیادہ دسترس  
 رکھتا ہوں۔ میں جو کچھ عرض کروں گا وہ محض عشقِ رسولؐ کے جذبے سے اور حصولِ ثواب کی غرض  
 سے۔ اس لئے اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو میں اُس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اُس کے  
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی چاہوں گا اور آپ بھی ازراہ نوازش درگزر کیجئے گا۔  
 جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے کہ ہم یہاں پر اُس عظیم شخصیت کے حضور نذرانہ عقیدت  
 پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جن کے لئے ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے۔ میں اس محفل میں  
 آپ سب کا خیر مقدم کرتا ہوں اور صدر محترم کا رمی شکر یہ ادا کرنے سے گریز کرتا ہوں کیونکہ ایک  
 مسلم مملکت کے سربراہ کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ ایسی مجالس میں حاضری دے اور دنیا پر اس  
 بات کو روشن کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا تابع ہے اور تجدیدِ عہد کرے کہ  
 وہ احکامِ خدا اور سنتِ رسولؐ کا پابند رہے گا۔ نیز یہ کہ یہ کانفرنس صدرِ پاکستان ہی کے  
 ایماء سے منعقد کی گئی ہے جس میں تمام حاضرین اپنی شمولیت کو باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اور  
 آپ کا شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے انہیں یہ موقع فراہم کیا۔

ہم مسلمانوں کے لئے بارہ ربیع الاول کی تاریخ دو اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ ایک  
 اسلئے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نور بھیجا جس کی آمد سے

زندگی کی ظلمت اجالوں میں بدل گئی۔ انسان ظلم و طغیان کے بھنور سے نکل کر ایک پُر امن ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اس کے ساتھ ہی نوید اُمید، خوشحالی، فارغ البالی اور مسرت و شادمانی کے چہنٹے مچھوٹنے لگے اور انسانیت کو پہلی بار آخرت و مساوات اور عدل و انصاف کی اقدار سے آگاہی ہوئی جس کے نتیجے میں شاہ و گدا امیر و فقیر، آجر و مزدور اور زندگی کے دیگر شعبوں سے متعلق افراد قانون کی نظر میں برابر قرار پائے۔ نیز اس کا روزِ مرہ کی زندگی کے تمام شعبوں میں عملی مظاہرہ کرنے سے انسانیت اپنی معراج کو پہنچی جس کی ایک جھلک آج بھی اسلامی معاشرہ میں نظر آتی ہے۔ اس دن کی دوسری اہمیت اس وجہ سے ہے کہ آپ ایک مثالی اور قابلِ تقلید اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے بعد اسی روز اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

### صدر محترم!

بارہ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کے موقع پر آپ نے اسلامی حدود کے نفاذ کا اعلان کر کے عملی زندگی میں جہاد کی طرف قوم کو متوجہ کیا جس کا مطلب گفتار کی سیاست چھوڑ کر عمل و کردار کی ایسی زندگی اختیار کرنا تھا جو اسلامی نظریہ حیات سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی سے مطابقت رکھتی ہو۔ الحمد للہ۔ ہم آپ کی رہنمائی میں عملی زندگی اور جہاد کی راہوں پر گامزن ہو رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم اسلامی احکام کی پابندی کر کے اُس عظیم مقصد کو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ کیونکہ قیام پاکستان کا مقصد ہی تھا کہ ہم برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ خطہ زمین حاصل کر کے اس میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کریں، اُس کے احکام کے مطابق زندگی گزاریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کہ ایک ایسا مثالی معاشرہ پیدا کریں جس میں نئے نئے سرے سے اسلامی کردار، تہذیب و ثقافت اور احکام الہی کی بلا دستی ہو۔

### خواتین و حضرات!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بے شمار پہلو ہیں لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے ہر دور میں ظلم و ستم اور آفات و مصائب کے خلاف زندگی بھر جہاد جاری رکھا حتیٰ کہ جب آپ نے مدینہ منورہ میں ایک نئی مملکت کے

سربراہ کا منصب سنبھالا تب بھی آپ نے جہاد و زندگی جاری رکھا۔

### صدرِ محترم !

بعض غیر مسلم دانشور لفظ جہاد سے یوں نہیں چڑتے ہیں حالانکہ اس کا مطلب جدوجہد کرنا ہے اور یہ جدوجہد زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ لیکن اگر معاشرے میں اسلامی اقدار پامال ہو رہی ہوں اور روایات کجلی جا رہی ہوں اور امر و نہی کا تصور مٹایا جا رہا ہو تو ان سب کے تحفظ کے لئے جہاد باسیت سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع پر ہی طاقت کے اظہار کا حکم دیا ہے۔

### معزز سامعین !

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں اسلام کے پانچ ارکان میں جہنیں دین کے ستون کہا جاتا ہے۔ لیکن ان ستونوں کی حیثیت ثانوی رہ جاتی ہے جب تک ان پر عمارت تعمیر نہ کی جائے۔ ان بنیادی ستونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی اور اُس کے جملہ نقش و نگار اور خط و خال اپنے قول و فعل اور عظمتِ کردار سے واضح کئے اور اس عمارت کے کینوں کو ایسی بنیادی اقدار و روایات فراہم کیں جن کے ذریعے انسان کو پہلی بار یہ شعور بلا کہ وہ کائنات میں اشرف المخلوقات ہے۔ یہ شرف و سعادت اور عہدہ و منصب رنگ و نسل کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ تقویٰ اور نیکی کی بنیاد پر ہے۔

آج اقوام متحدہ کا ادارہ اس بات پر نازاں ہے کہ اُس نے انسانی حقوق کا منشور پہلی بار پیش کیا ہے اور ایک عالمی برادری کی تشکیل میں کوشاں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن بنیادوں پر اقوام متحدہ نے یہ منشور تعمیر کیا ہے وہ اُس منشور سے مستعار ہیں جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حجۃ الوداع کے موقع پر کرایا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ اُس کا عملی مظاہرہ حضور نے خود اور اپنے صحابہ سے کرا کے ایک عالمگیر برادری کی بنیاد رکھی تھی۔

### خواتین و حضرات !

ہم اسی منشور انسانیت کے امین ہیں۔ اس لئے ہم پر فرض عاید ہوتا ہے کہ ہم اس کا عملی نفاذ جہاد سمجھ کر اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں کریں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ

صدرِ محترم کی قیادت میں اس جہاد کا آغاز ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ثمرات اور برکات سے نوازے۔ آمین

ان گذارشات کے بعد میں آپ سے رخصت چاہتا ہوں اور صدرِ محترم سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کانفرنس کا افتتاح فرمائیں۔

---

# افتتاحی خطاب

جناب جنرل محمد ضیاء الحق، صدر پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ  
عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ -

جناب وزیر مذہبی امور محمود اے بارون صاحب، علماء کرام، مشائخ عظام، حاضرین کرام

وانشوران اسلام۔ السلام علیکم۔

تاریخ عالم کا سب سے عظیم واقعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مولود مسعود ہے۔ عالم تقویم میں صحیح  
دن وہ ہے جس دن آپ عالم وجود میں آئے اور محافل و مجالس میں سب سے اہم تقریب وہ ہے جس  
میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو۔ اس لحاظ سے میری اور ہم سب کی یہ سعادت ہے کہ ہم  
آج یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آج عید میلاد النبی کے موقع پر یہاں جمع  
ہوتے ہیں تاکہ اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اس محسن عالم کا کچھ ذکر کر سکیں۔ ان کی زندگی سے  
کچھ مستفید ہو سکیں اور اپنے لئے ایک ایسے لائحہ عمل کا انتظام کریں جس کا ذکر آج نہیں آج  
سے کئی سو سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور جو اس عالم اسلام کی نہیں بلکہ دنیا کے لئے آخری وقت  
تک کے لئے نہایت موزوں اور نہایت مثبت ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے متعلق آپ حضرات کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔

یہ اس ہستی کا ذکر میں کر رہا ہوں جو دین اسلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس دنیا میں وجود میں لائے  
جنہوں نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ، اکثر و بیشتر تو نہیں کہنا چاہیے، تمام حصہ اس  
دین کو سمجھانے کے لئے عملی طور پر اور علمی طور پر صرف کر دیا۔

آج مجھے اور آپ کو یہ سعادت ہے کہ ہم اپنے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ چھوٹے  
موٹے الفاظ میں، ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ان کی زندگی کے واقعات سے کچھ سبق حاصل کریں،



اپنی زندگیوں اس طرح استوار کریں کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بننے کے قابل ہو جائیں۔ میں آپ حضرات کا شکریہ گزار ہوں۔ خاص طور پر علماء اور مشائخ کا جنہوں نے یہ تکلیف گوارا کی کہ اس محفل میں شریک ہوتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب دے۔ لیکن میں آپ کا شکریہ گزار اس لئے ہوں کہ پاکستان میں اکثر و بیشتر علماء اور مشائخ ان دنوں میں اپنی اپنی محفلیں اور مجالس خود مستعد کرتے ہیں، اور ان کو اپنے قریبی سمجھ لیجئے۔ ان کو شاگرد سمجھ لیجئے یا ان کو مرید کہہ لیجئے آپ۔ وہ سب ان دنوں میں ان کے ارشادات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ اس آج کی محفل سے نہ صرف اس تقریب میں شریک ہونے والے حضرات مستفید ہو سکیں گے بلکہ پاکستان ریڈیو، ٹیلیوژن اور اخبارات سے، جو آپ آج فرمائیں گے اُسے پورا پاکستان سنے گا، دیکھے گا اور پڑھے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کی اس حاضری سے پوری قوم پورا ملک اور ملک کے باہر کے لوگ اُس سے مستفید ہو سکیں گے۔ اس کانفرنس کی یہ خصوصیت اپنی جگہ بہت اہم ہے اور وہ سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وقف ہے۔ لیکن اس کا یہ پہلو بھی اپنی جگہ قابل توجہ ہے کہ یہ تقریب نئی صدی ہجری کی پہلی عید میلاد النبی ہے۔ یہ دن ایسی صدی میں طلوع ہوا ہے۔ جس میں ہم نے نفاذ اسلام کا مکمل اور پختہ تہیہ کر دکھا ہے اور اسے ہم قومی اور بین الاقوامی سطح پر اجاگر اسلام اور نفاذ اسلام کی صدی کہتے ہیں۔ لہذا اس سال ۱۲ ربیع الاول کی دوسری اہمیت ہے۔ جناب محمود اے بارون صاحب نے اس کانفرنس کا مقصد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنا جو اپنی جگہ بہت بڑی سعادت ہے۔ میرے خیال میں نذرانہ پیش کرنے کے دو طریقے ہیں اور دونوں ہی اپنانے چاہئیں۔ ایک طریقے کی جھلک تو آپ نے کچھ دیکھی۔ قرآن کریم کی آیات کی تلاوت سنی منصور تائبش صاحب کی نہایت پر جوش نعت سنی اور اس نعت کے سننے کے بعد اس کا جواثر مجھ پر ہوا یا جو میں نے دیکھا ہے اس سے یہ نظر آتا ہے کہ جس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف تعریف سے ہی انسان کا دل بل جائے۔ اگر اس کی حیات طیبہ کا پورا پورا جائزہ لے کر اس پر عمل کیا جائے تو ہم پر اس کا کیا اثر ہوگا۔

مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے گا کہ ہم گنہگار بندے اس کے بنائے

ہوئے اصولوں پر عمل کر سکیں گے۔ دوسرا طریقہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ ذرا غیر جذباتی طریقے سے اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ اس بزرگ و برتر ہستی نے زیست کا راستہ جو ہمیں دکھایا ہے ہم اس پر کہاں تک کاربند ہیں ہماری زبانی عقیدت اور فاتی عمل میں کوئی فرق تو نہیں ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو اسے کس طرح سے دور کر سکتے ہیں تاکہ ہم ان کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے ان کی خوشنودی اور اپنی نجات حاصل کر سکیں۔

حاضرین کرام! اسوہ حسنہ ایک ایسا وسیع و بلیغ موضوع ہے جس پر ہزاروں کتابیں اور اور لاکھوں تقریریں موجود ہیں۔ خود آپ حضرات اس مبارک موضوع کی جذبات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے میں اس موضوع کی گہرائی میں جانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھے اپنی کم علمی کا احساس ہے اور اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس عظیم الشان موضوع سے انصاف نہیں کوسکوں گا۔ لہذا میں اس کے صرف چند بنیادی نکات کی تشریح کروں گا اور باقی پہلو آپ پر چھوڑوں گا تاکہ آپ اس سے پورا پورا انصاف کر سکیں۔ میں نے نفاذ شریعت کے بارے میں جتنی بھی قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے ان میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ نفاذ اسلام کے لئے ہمارے پاس بنیادی اصول ہیں۔ ہمیں اسلامی اقدار کا علم ہے۔ ہمیں اپنی منزل کا احساس ہے۔ لیکن عملی زندگی میں دنیا کے کسی خطے میں نفاذ اسلام کی ایسی مثال نہیں ملتی جس کو ہم ایک ماڈل سمجھ کر اپنا سکیں۔ کہیں اسلام کا ایک پہلو کارفرما ہے اور کہیں دوسرا۔ کہیں اس کا نظام عدل پر زور ہے تو کہیں نظام معیشت پر، لیکن ایسا لائحہ عمل سامنے نہیں آیا جسے اپنا کر صحیح اسلامی معاشرہ قائم کیا جاسکے۔ یہ توضیح اپنی جگہ درست ہے لیکن اس کا حل بھی موجود ہے۔ اگر قرآن بنیادی اصول متعین کرتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ان اصولوں کی عملی تفسیر پیش کرتی ہے۔ اگر اسلام میں بنیادی اقدار کی نشاندہی کی گئی ہے تو حیات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان اقدار کا عملی اظہار ہے۔ اگر فرمان الہی نے حیات انسانی کا ایک آئیڈیل متعین کیا ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال اس آئیڈیل کا ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتے ہیں۔ قرآن پاک کے بعض بنیادی پہلوں پر پوری وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن زندگی کے بیشتر

پہلوؤں کے بارے میں صرف رہنا اصول بنائے گئے ہیں۔ مثلاً حقوق اللہ اور حقوق العباد۔

اسلامی معاشرے میں نظام عدل اور نظام معیشت کے عدم خال موجود ہیں لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی رہنمائی ملتی ہے۔ یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور گفتگو کرنے، لین دین کرنے، سماجی اور معاشرتی تعلقات کے تمام آداب روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ میں جو نقطہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں اولاً قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہیے اور جہاں کہیں کسی مسئلے پر واضح فیصلہ نظر نہ آئے تو ہمیں اس کے لئے حیات طیبہ کی ورق گردانی کرنی چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ ضرور بصیرت نصیب ہوگی۔ انشاء اللہ دیگر مذاہب کی نسبت ہم پر جہاں اور بہت سی نعمتیں سچا ور کی گئی ہیں وہاں ایک نعمت یہ بھی ہے کہ نہ صرف ہماری الہامی کتاب کا ایک ایک لفظ پوری صحت کے ساتھ موجود ہے بلکہ حیات طیبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تفصیلات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ یعنی ہمارے نبی کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کا ذکر خدا منحاستہ ضعیف قسم کے قصے یا کہانیوں میں ملتا ہو بلکہ یہ ایسا حقیقی نمونہ ہے جس کی زندگی کے تمام پہلو کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں۔ اس میں قیاس آرائی اور قیافہ شناسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مکمل اور حقیقت پسندانہ طرز زندگی کا نمونہ ہے۔

اس بات کے سلسلہ میں میں یہاں ایک ذاتی تجربہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی حدت کا ذکر نہیں ہے۔ صرف ایک اپنا تاثر آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں ابھی چند غیر ملکی اسلامی ملکوں کے دورے سے واپس لوٹا ہوں اور اس دوران مجھے استنبول میں ایک ایسے عجائب گھر میں جانے کا اتفاق ہوا جس میں دیگر نوادرات کے علاوہ رسول پاک کے تبرکات بھی موجود ہیں۔ وہاں ان کا صحیح دانت مبارک، ان کی ریش مبارک کے بال اور ان کے جسم مبارک پر پہننے والا جبہ۔ میں نے ان تبرکات کو نہ صرف دیکھا بلکہ جبہ مبارک کو اپنے ہاتھ سے چھوا بھی اور اسے بوسہ دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اس تجربے سے گزرتے وقت مجھ پر کیا گزری اس کا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس فانی دنیا میں یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے جو کہ ایک مسلمان کو نصیب ہو سکتی ہے۔ میں اس تجربے کے حوالے سے جو بات واضح کرنا چاہتا

ہوں وہ یہ ہے کہ رسول پاکؐ کی عملی زندگی کے تمام اجزاء حتیٰ کہ ان کے جسم مبارک سے تعلق رکھنے والی اشیاء آج بھی صحیح و سالم موجود ہیں۔ ان کی زندگی ایک باعمل فرد کی زندگی ہے۔ ان کی زندگی ایک حقیقی شخص کی عملی زندگی ہے، کسی راسب یا تارک دنیا کی زندگی نہیں۔

اس پہلو پر زور دینے کی وجہ اس تاثر کو بھی بتانا ہے کہ خدا نخواستہ ہمارے نبی کوئی مانوق البشریت شخصیت تھے جن کی تقلید ایک بشر کے بس کی بات نہیں۔ میرے خیال میں اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو نبوت عطا فرمائی اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگ جان سکیں کہ جس شخص کو یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے۔ وہ ان ہی میں سے ہے۔ وہ عبداللہ کا بیٹا ہے، عبدالمطلب کا پوتا ہے، وہ مکہ کا رہنے والا ہے اور قریش خاندان کا چشم و چراغ ہے جس نے ان کی آنکھوں کے سامنے پرورش پائی ہے اور ان کے دیکھتے دیکھتے جوانی کے مراحل طے کئے ہیں اور ان کے سامنے سچی اور عوامی زندگی گزاری ہے۔ گویا انہوں نے ثابت کر دیا کہ گناہوں سے مکمل طور پر پاک زندگی گزارنا ممکن بھی ہے اور احسن بھی ہے۔ رسول پاکؐ نے قرآن پاک کے ایک ایک لفظ اور اس کی روح کے مطابق زندگی گزار کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم ایک انسان سے جس پاک اور ارفع معیار کی توقع کرتا ہے وہ کوئی ناقابل حصول معیار نہیں ہے۔ اس کی عملی مثال ساریے سامنے ہے۔ یہیں خلوص نیت سے اس کی تقلید کرنی چاہیے اور جہاں جہاں ہم سے کوئی کوتاہی ہو جائے اس سے معافی مانگنی چاہیے۔

حیاتِ طیبہ کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے ہیں یہ بھی واضح کر دیتا ہوں کہ اسلام میں سچی اور عوامی یا پبلک اور پرائیویٹ زندگی کو دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں بانٹنا نہیں جا سکتا۔ انسانی زندگی ایک کل ہے جس کے کئی اجزاء تو ہو سکتے ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ آپ اس کے بعض پہلو تو اسلام کے مطابق گزار دیں اور بعض کے متعلق یہ موقف اختیار کریں کہ یہ میرا پرائیویٹ معاملہ ہے جس میں کسی شخص یا مملکت کو دخل دینے کی اجازت نہیں۔ خود رسول پاکؐ کی زندگی ہمارے سامنے ہے جس کے سچی اور عوامی یا پبلک اور پرائیویٹ طرز حیات میں کوئی فرق نہیں۔ نمونہ باللہ کوئی مسلم یا غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول پاکؐ پبلک کے سامنے تو یہ رویہ اختیار کرتے تھے لیکن سچی زندگی میں صورت حال مختلف تھی۔ ہرگز نہیں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر پہلو کو خواہ وہ عوام کی نظروں کے سامنے ہو یا اوجھل، خواہ اس کا تعلق ہماری پرائیویٹ زندگی

سے ہو یا پبلک لائف سے اسلام کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں کیونکہ خود رسول اکرمؐ نے اپنی زندگی میں یہی مثال قائم کی ہے۔

حاضرین کرام! رسول منبوتؐ کے نقش قدم پر چل کر اپنی اپنی زندگیوں کو سدھارنا ہمارا انفرادی عمل ہے جس کے لئے کسی قسم کے بیرونی عوامل کی ضرورت نہیں اور اگر ہم یہ کام از خود کر لیں تو ہم باآسانی اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی منزل حاصل کر سکتے ہیں لیکن مجھے اس بات کا احساس ہے کہ دور حاضر میں بعض پہلو ایسے بھی ہیں جن سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی وابستہ ہے مثلاً نظام عدل و نظام معیشت وغیرہ۔ موجودہ حکومت انفرادی اصلاح کی تلقین کے ساتھ ساتھ ان اجتماعی پہلوؤں کو بھی اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آپ کو یاد ہو گا دو سال پہلے ۱۲ ربیع الاول کے مبارک موقع پر اس سفر کا آغاز کیا گیا۔ اس عرصہ میں ہم کہاں تک آگے بڑھے ہیں اور ہمیں اپنی منزل حاصل کرنے کے لئے ابھی کتنا کام اور کرنا ہے۔ اس کا آپ کو بخوبی علم ہے۔ اس سلسلہ میں اب تک جو اقدام کئے گئے ہیں ان کا میں سرسری سا جائزہ ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی چیز ہم نے شرعی حدود کے لئے قانون شریعت کے مطابق اعلانات کئے ہیں۔ ان حدود کے تحت خصوصی عدالتوں کا قیام وجود میں آچکا ہے اور مقدمات کی سماعت جاری ہے۔ نظام زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عملاً جاری ہو چکا ہے اس کے تحت کروڑوں روپے یتیموں، بیواؤں اور دوسرے حاجت مندوں میں تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ یہ عمل بھی جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ یہاں میں اس چیز کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری یہ کوشش ہے کہ جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق، احکامات قرآن کے مطابق ہر رکن دین پر کام کیا جائے وہاں میری علماء اور مشائخ حضرات سے یہ بھی درخواست ہے کہ میرا اور آپ کا بھی مجھے معلوم ہے یہ اب تہیہ ہے کہ جہاں ہم ایک غریب کو اس کا حق دلانے کی کوشش کرتے ہیں، جہاں ہم ایک صاحب نصاب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی زکوٰۃ نکالیں وہاں مجھے اور آپ کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم اس معاشرے میں بھکاری نہیں بنانا چاہتے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ معاشرہ ہماری قوم ہماری ملت خود بہر حالت میں، ہر معنی میں اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس نظام زکوٰۃ کے ذریعے سے اسلامی اصولوں کے مطابق ہم کیسے ادارے قائم کر سکتے ہیں جن کی بنا پر ایک حقدار کو ایک غریب کو ایک مسکین کو اس کا وہ حق ملے جو مجھے اور آپ کو اس تک پہنچانا ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں آپ کی طرف سے مجھے رہنمائی حاصل ہوگی۔ وفاق شرعی عدالت کام کر رہی ہے جو نہ صرف حدود کے تحت چلنے والے مقدمات کی اپیل سننے کی مجاز ہے بلکہ کسی بھی درجہ قانون کو غیر شرعی قرار دے سکتی ہے شرعی قوانین نافذ کرنے اور نفاذ شریعت کے عمل کو تیزتر کرنے کے لئے ملک میں پہلی مرتبہ اسلامیہ یونیورسٹی قائم کی گئی ہے تاکہ مناسب افراد کو تربیت دی جاسکے اور جہاں کوئی کمی رہ گئی ہو اسے دور کیا جاسکے۔ یہ آراء اور تجاویز اسلامی نظریاتی کونسل کو وصول ہو چکی ہیں۔ انہیں جلد انشاء اللہ آخری شکل دے دی جائے گی۔ شدید مشکلات کے باوجود سود کی لعنت سے بتدریج نجات حاصل کرنے کے لئے کئی اقدامات کئے جا چکے ہیں۔ جن کا آپ کو علم ہے۔ جیسے اور بعض ادارے اب سود کی بجائے شراکت کی بنا پر کاروبار کر رہے ہیں۔ اس سال یکم جنوری سے تمام بنکوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بلا سودی کاروبار کے علیحدہ ہاؤسنگ میں ڈھالنے کے لئے کئی قدم اٹھائے گئے ہیں۔ مثلاً نظام تعلیم کو نظریہ اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے نئی تعلیمی پالیسی وضع کی گئی ہے جس کے تحت سیلیبس اور دوسری کتابوں پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ میں آپ کو یہاں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ نظام تعلیم میں اسلام کا ایک اہم حصہ ہے اور ہم نے جو نئے احکامات جاری کئے ہیں جن پر عمل شروع ہو چکا ہے اور انشاء اللہ ہوگا۔ وہ یہ ہے، کہ ڈگری کی کلاس تک یعنی بی۔ ایس۔ سی کے آخری سال تک پاکستان مضامین پر اور اسلامی تعلیم کے لئے ہر جماعت میں خصوصی انتظام ہوگا۔ اور ہم نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جب تک طالب علم ان دو مضامین میں پاس نہیں ہوگا خواہ اس نے کتنی اعلیٰ سے اعلیٰ نمبر حاصل کئے ہوں اس کو کامیاب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ابلاغ عامہ کے ذرائع خاص طور پر ریڈیو اور ٹی۔ وی کو تبلیغ اسلام کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض پروگرام اب بھی روح اسلام سے منافی ہیں لیکن ان دونوں ذرائع کا رخ یقیناً میرے خیال میں قبلاً رہا ہو چکا ہے اور اب ان کا سفر صحیح سمت جاری ہے۔ یہاں میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ ان بنیادی اور ٹھوس اقدامات کے باوجود ابھی ہماری منزل بہت دور ہے۔ ہمیں صرف یہ اطمینان ہے کہ اس سمت میں پہل کرنے کی سعادت ہمیں

ضرور نصیب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں اگر کسی بات پر بھروسہ یا اعتماد ہے تو وہ ہمارا خلوص ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جو کام بھی خلوص نیت سے کیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ

کا مہیا بی عطا فرماتے ہیں ورنہ جہاں تیس برس یونہی گزر گئے وہاں دو تین سال کا عرصہ اور بھی گزر سکتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ عوام کی ولی خواہش ہے کہ جس نظر پر حیات کی بنیاد پر یہ ملک قائم کیا گیا ہے اسے عملی زندگی میں بھی نافذ کیا جائے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ لوگوں کی رہنمائی اور عوام کا یہی تعاون ہمیں اس منزل پر لے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی ہتھیار ہمیں اس میدان میں مکمل فتح بھی نصیب کریں گے۔ آمین

حاضرین کرام آج اس عظیم اور برتر مستی کا یوم پیدائش ہے جس نے بنی نوع انسان کو سب سے مثبت اور سب سے عظیم انقلاب سے روشناس کرایا۔ جس نے صحیح اور صحت مند اقدار سے اس کو آرضی کو آشنا کیا جس نے ایک نئے طرز حیات کی بنیاد رکھی اور خود اس طرز زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اس عملی نمونے کی طرف ہمیں ایک جائزہ ضرور لینا ہے۔ اس جائزہ کے اندر میری آپ سے ایک اپیل بھی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں ہمیں اجتماعی طور پر بہت سے کام کرنے ہیں۔ وہاں انفرادی طور پر جب تک ہم آگے قدم نہیں پڑھائیں گے، معاشرے کے اندر تبدیلی نہیں آسکتی۔ میں اور آپ اسلام کے پانچ ارکان کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ حضرات کو یہ بھی علم ہے کہ آپ بھی نماز پڑھتے ہیں، میں بھی نماز پڑھتا ہوں۔ لیکن جس چیز کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ علمائے کرام اور مشائخ کرام ہیں لوگ آپ کی بات پر یقین کرتے ہیں۔ آپ پر اعتبار کرتے ہیں۔ آپ کی رہنمائی میں نہ صرف وہ زندگی بلکہ ہر شعبہ زندگی میں آپ کی رہنمائی چاہتے ہیں۔ میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ آپ اس عمل کو جس کی طرف مجھے معلوم ہے کہ آپ ضرور گامزن ہیں۔ لیکن انفرادی طور پر آپ معاشرے میں تبدیلی لانے کی کوشش کیجئے۔ وہ اس طریقے سے کہ آپ جہاں اپنے وعظ میں اپنی نصیحتوں میں اور بہت سی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہاں نماز کا بھی ضرور ذکر کریں۔ زکوٰۃ کا ذکر کیجئے۔ وہاں آپ اپنے مریدوں سے اپنے شاگردوں سے، اپنے عقیدت مندوں سے یہ ذکر کریں کہ زکوٰۃ دیں۔ وہاں ان سے یہ ذکر کریں کہ اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دیں۔ جہاں آپ کے سامنے آپ کے دو منبر، عزیز عقیدت مند آتے ہیں وہاں آپ یہ کہیں۔ کہ طالب علم کو استاد

کی عزت کرنی چاہیے۔ وہاں آپ یہ بھی ذکر کریں کہ بچوں کو ماں باپ کی عزت کرنی چاہیے وہاں آپ اس چیز کا بھی ذکر کریں کہ اساتذہ کو اساتذہ کی طرح رہنا چاہیے۔ انہیں بچوں کو صحیح معنوں میں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہیے۔

نہیں یہاں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کے اندر اسلام کے لئے بہت بڑا جذبہ ہے اور یہ اس جذبہ ہی کی بدولت ہے اور اس جذبے کی بدولت میں اور آپ اس قابل ہوئے ہیں کہ آج ۱۲ ربیع الاول کو ایک قومی سطح کے اوپر سیرت النبیؐ کا جلسہ منعقد ہو رہا ہے اس سلسلے میں آج پاکستان کے کونے کونے میں یہیں معلوم ہے کہ سیرت النبیؐ کے جلسے قائم ہوں گے۔ جلسوں نکلیں گے۔ لیکن جس چیز کی طرف میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں اور آپ کو یہ چاہیے کہ ہم ہر شخص کو یہ بتائیں کہ جب تک وہ اپنی زندگی کو صحیح معنوں میں اسلامی اقدار میں نہیں ڈھالے گا اس وقت تک ترقی کے وہ زینے ہم طے نہیں کر سکیں گے۔ جس جلدی سے، سرعت سے، ہم انہیں طے کرنا چاہتے ہیں۔ میں یہاں ملک کا ذکر کر رہا تھا میں ملک کے باہر بھی لوگوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں آپ یقین جانتے کہ میں نے جو جذبہ اسلام پاکستان کے باشندوں میں جو کہ پاکستان کے باہر رہ رہے ہیں اسقدر دیکھا ہے اس قدر بہترین طریقے سے دیکھا ہے کہ وہ قابل تحسین ہے۔ لوگوں نے اسلام کے متعلق اپنی ذمہگیاں وقف کر دی ہیں۔ پاکستان کے باہر، پاکستان کے شہری در سے بنانے میں مشغول ہیں۔ تاکہ وہاں ان کی تعلیم کے انتظامات کئے جائیں اور اس تعلیم کے اندر تعلیم اسلام سب سے اولین صفت پر ہوں ان کا جذبہ اور وہ قابل تعریف ہے قابل تحسین ہے۔

مجھے امید ہے کہ پاکستان میں جو عوامل کار فرما ہیں ہم انہیں اور تیز کریں گے تاکہ پاکستان سے باہر رہنے والے پاکستانی کچھ ہم سے کچھ باہر سے ایسا عکس لیں جس سے کہ صحیح معنوں میں ہم اپنے آپ کو پاکستانی مسلمان ظاہری نہیں بلکہ صحیح معنوں میں سمجھا بھی سکیں۔

اس سلسلے میں میں یہاں آپ کی توجہ ایک دو چیزوں کی طرف دلاتا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں کہ اسلام کے نفاذ کے لئے تین چار چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ ان نکات کی طرف ہماری صرف توجہ ہی نہیں ہے بلکہ ہم نے کچھ کام بھی کئے ہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ ہمیں وہ ترقی حاصل نہیں ہوئی جو ہم چاہتے ہیں۔ ہم ابھی اس منزل سے بہت دور ہیں جس کی طرف ہمیں پڑنا چاہیے۔ سب سے اولین مسئلہ



جو ہے وہ معاشرے سے غلط قسم کی چیزوں کو انفرادی سطح پر دور کرنا ہے۔ آج میں اس چیز کو تسلیم کرتا ہوں کہ حکومت، انتظامیہ اور تقریباً ہر شعبے میں وہ غیر اسلامی اقدار موجود ہیں جو کہ اسلامی مملکت میں نہیں ہونی چاہئیں۔ کیا ہمارے ہاں آج رشوت ستانی ختم ہو گئی ہے یہ یا اور زیادہ ہے؟ اگر رشوت ستانی ہے تو آپ میرا گریبان ضرور پکڑ سکتے ہیں کہ آپ نے ان کو پھانسی پر کیوں نہیں لٹکایا لیکن میری آپ سے یہ عرض ہے اور میں یہ ہمیشہ سے کہتا چلا آیا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ کیا تالی ایک ہاتھ سے بچتی ہے یا دونوں ہاتھوں سے۔ رشوت لینے والا اس وقت رشوت دیتا ہے جب کوئی رشوت دینے والا موجود ہو۔ اور رشوت دینے والا اس وقت رشوت دیتا ہے جب اس کا کام کسی اور طریقے سے نہ نکلے۔ ہم اُس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے اپنے آپ کو کہتے ہیں لیکن ہم اپنے ذاتی کام کروانے کے لئے رشوت دیتے ہیں!۔ اگر ہم میں سے آج ۵ فیصد لوگ یہ تہیہ کر لیں کہ ہمیں اپنا کام صحیح طریقے سے کرنا ہے اور صحیح طریقے سے کروانا ہے تو مجھے اُمید ہے کہ معاشرے میں ۵ فیصد نہیں بلکہ دس فیصد خرابیوں کا صفایا ہو جائے گا۔ کیا آپ حضرات میں سے کوئی صاحب ایسے ہیں جن کے ساتھ یہ واقعات پیش آئے ہیں، اور انہوں نے کوشش کی ہو کہ وہ اپنے تجربات کسی اعلیٰ افسر، کسی اعلیٰ معلم یا کسی اعلیٰ عالم کے ذریعے حکومت تک پہنچائیں یا مجھ تک پہنچائیں۔ میں یہ سُننا ہوں کہ معاشرے میں بہت سے چیزیں غلط ہو رہی ہیں۔ مجھے خود اس بات کا علم ہے لیکن جہاں ہم معاشرے کو بتدریج صحیح کرنا چاہتے ہیں وہاں مجھے ایک چیز کا طرز ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان میں جس روز سے ہمیں خدمات انجام دینے کا موقع ملا ہے۔ ہم نے ایک اصول اپنایا ہے کہ جس شخص کے ساتھ بھی کوئی کارروائی ہو وہ اصولاً ہو اور انصاف پر مبنی ہو۔ میں سننے سناتے الفاظ سے لوگوں کو پھانسی نہیں دے سکتا۔ میں سننے سناتے الفاظ سے لوگوں کو جیل نہیں بھجوا سکتا کیونکہ انصاف اور اسلامی اصول کا یہ تقاضہ ہے کہ جس شخص پر آپ کو شک ہو یا جس شخص پر آپ کوئی تہمت لگائیں تو اسے اس کو ثابت کرنے کا موقع دیا جائے۔ اور انصاف کرنے والا اس کو پورے مواقع مہیا کرے۔ کیا ایسے واقعات ہمارے موجودہ انصاف کے ذریعے رو پذیر ہو سکتے ہیں اگر نہیں ہو سکتے تو دوسرا عمل جس کی طرف ہمیں توجہ دینی ہے وہ ہمارا طریقہ انصاف ہے۔

ہم نے گزشتہ دنوں ایک چھوٹا سا کام کیا جس کے ذریعے ہائی کورٹ کے کچھ بچوں کو مختلف مقامات پر مقرر کیا گیا تاکہ موجودہ طریقہ کار کے مطابق لوگوں کو انصاف ان کے گھروں کے اندر نصیب ہو اور اگر گھروں کے اندر نہیں تو کم از کم راولپنڈی کے رہنے والے لوگوں کو راولپنڈی ہی میں انصاف ملے۔ انہیں انصاف کے حصول کے لئے لاہور یا کراچی یا کہیں اور نہ دوڑنا پڑے۔ لیکن آج بعض ایسے عوامل ہیں جو اس کی مذہمت کر رہے ہیں۔ میں یہاں کسی خاص فرقے یا گروہ کی طرف توجہ نہیں دلانا چاہتا۔ میں آپ کی توجہ طریقہ انصاف کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آپ نے لاہور کی کچھری دیکھی ہے۔ میں نے بھی دیکھی ہے۔ آپ نے راولپنڈی کی کچھری دیکھی ہوگی۔ ہم نے بھی دیکھی ہے۔ کیا وہاں پر طریقہ انصاف وہی ہے جو اسلامی مملکت میں ہونا چاہیے؟ کیا آج آپ اس قابل ہیں کہ اگر میں کل یہ کہوں کہ یہاں اسلامی طریقہ انصاف ہونا چاہیے تو کیا آپ اس کا ڈھانچہ اور طریقہ کار بتا سکتے ہیں؟ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ جہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر روشنی ڈالیں گے وہاں میں آپ سے یہ بھی توقع کروں گا کہ آپ میں سے جو اہل دانش اور اہل فکر میں آپ کی توجہ اس طرف بھی دلائی جائے جب تک کہ اس ملک میں تین چیزیں نہیں ہوں گی مجھے اُمید ہے کہ اس وقت تک معاشرہ صحیح طریقہ اختیار نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کو اتنی آزادی حاصل ہو کہ وہ صحیح معنوں میں صحیح کام کر سکے۔ ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہو کہ وہ اپنے متعلق یا کسی دوسرے کے متعلق صحیح طریقے سے اس پر تنقید کر سکے۔ ہر شخص کو اتنا انصاف ملنا چاہیے کہ جس وقت اس پر کوئی مقدمہ ہو یا وہ کسی واقعے میں ملوث ہو تو اس کو انصاف سالوں میں نہیں، مہینوں میں نہیں، ہفتوں میں نہیں دنوں میں، بلکہ گھنٹوں میں ملنا چاہیے۔ آج ہمارے ہاں مملکتِ خدا واد پاکستان میں آپ اخباروں میں دیکھتے ہیں۔ آپ کے پاس بھی بہت سی عرضیاں آتی ہوں گی۔ میرے پاس بھی بہت سے عرضیاں آتی ہیں۔ ہر عرضی میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ میرا بیٹا قتل ہو گیا یا میری بہن کے ساتھ ناجائز سلوک ہوا۔ ہمارے ہاں چوری ہو گئی یا ڈکیتی ہو گئی۔ میں نے انہیں کیا انصاف دیا ہے؟ طریقہ کار کے متعلق میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد آخری چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ جب تک ہر انسان امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق حاصل نہ کرے اس وقت تک آپ جتنے مرضی نعرے لگائیے۔ آپ کے دل کے اندر سے یہ

آواز نہیں آسکتی کہ آپ نے صحیح اسلامی معاشرہ قائم کیا ہے۔

میں ان تین چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میری اور میرے رفقاء کار کی آپ حضرات کے تعاون سے اور ہر پاکستانی کی دل خواہش کے مطابق یہ کوشش ہے کہ اس مملکت کو صحیح معنوں میں ایک صحیح اسلامی آئیڈیل اور ماڈل بنایا جائے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں۔ مجھ سے یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ آیا آپ اسلام کے نام پر ریفرنڈم کرائیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ضرور کرائیں گے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ آیا اسلامی مملکت کے اندر کوئی شکوک و شبہات ہیں؟ اور یہ یہاں پر اسلامی مملکت اور اسلام کے متعلق کسی کو کوئی اختلاف ہے تو میں کہتا ہوں کہ اختلاف کا مجھے علم نہیں لیکن جو چیز مجھے نظر آتی ہے وہ صحیح اسلامی رخ نظر نہیں آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ پاکستان کے آٹھ کروڑ عوام ایک دفعہ یہ تہیہ کریں کہ آیا اس مملکت کو آپ اسلامی طریقے پر چلانا چاہتے ہیں یا یہ کہ آپ سیکولر طریقے پر چلانا چاہتے ہیں۔ اس چیز کو اب ختم ہونا چاہیے اور وہ ختم ہو گئی۔ انشاء اللہ اس نوٹ پر کہ مملکت پاکستان انشاء اللہ اسلامی اقدار پر قائم رہے گی۔ اسلام کے نام پر چلے گی اور صحیح معنوں میں ایک اسلامی ماڈل بن کر دنیا کے سامنے ابھرے گی۔ میں حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کر رہا تھا۔

اس سلسلے میں آپ سے درخواست ہے کہ آئیے آج انسانیت کے نجات دہندہ کے یوم ولادت کے موقع پر یہ عہد کریں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں گے۔ ان کی حیات طیبہ کو نشان منزل سمجھیں گے۔ اور ان کے اقوال و افعال کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی طرح کی زندگی گزارنا تو بڑی بات ہے اگر ہم ان کی خاک پاؤں کو حشر جان بنالیں تو ہم آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پاکستان - زندہ باد

# سیرت نبویؐ کا پیغام عصر حاضر کے نام

(ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ - چیئر مین اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَعْمَدَةٌ وَنَصَلَةٌ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

حمد رب العالمین کے بعد ہزاراں ہزار صلوٰۃ و سلام حضور کے لئے کہ دعائے سخن وہی ہیں سے

ہزار بار بشویم و ہن ز مشکِ گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

وہی حضور جن کے حق میں : وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی آیت نازل فرما کر

خود اللہ تعالیٰ نے گویا سب سے پہلی نعمت ارشاد فرمائی۔ جب حالت پر ہے تو یہ خاکسار بے مقدار حق درود و سلام کا کیا ادا کر سکے گا۔

اس لئے امجد اللہ خان غالب کا ہنوا ہو کر معاملہ اسی پر چھوڑتا ہوں کہ سے

غالب ثنائے خواجہ پیرزاد گزشتیم کاں ذاتِ پاک مرتبہ داں محمد است

موضوع ہے "عصر حاضر کے نام سیرت نبویؐ کا پیغام" یہ پیغام وہی ہے جو اسلام کا پیغام

ہے اور یہ صرف عصر حاضر کے لئے نہیں بلکہ آنے والے ہر عصر اور ہر دور کے لئے ہے، جو رب

المشارق و المعارف نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعے بھیجا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف جامع ترین شخصیت کے مالک تھے ہم تو خاکِ پاک

کے بھی عاشق ہیں۔ بعض غیر مسلم مفکرین نے بھی یہی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً جیسا کہ دوسروں کے علاوہ

پروفیسر آر، ڈبلیو، بے، اسٹن نے اپنے ایک مضمون میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:-

مے فاضل مضمون نگار یونیورسٹی آف ڈہم (یو کے) میں تقابل مذاہب اور تصوف کے استاد ہیں

بلکہ آپ کو خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے جملہ علوم نبوت بدرجہ اتم حاصل تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحقیق و تشریح کے مطابق جملہ علوم نبوت یا کمالات نبوت آپ کو عطا ہونے سے یہ کمالات ہیں رشد و ہدایت، علم و حکمت اور تدبیر و سیاست و ملک داری، اور یہ وہ کمالات ہیں جو عظیمہ ایزدی ہیں، اکتسابی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے جدید نامور ماہرین ان کمالات کو (CHARISMA) کا نام دے کر اسے محیر العقول سمجھتے ہیں۔ دراصل ان علوم کی دریافت کے لئے وہ آنکھ اور دل مطلوب ہیں جو علم ظاہری سے نہیں نور ایمان سے منور ہوں۔

آج حضور پر نور کا یوم ولادت یا سعادت ہے۔ اس کا تقاضا ہے۔ نیز اس نضا کا بھی ہے جو مملکت خداداد پاکستان میں پیدا ہو چکی ہے۔ تقاضا ہے کہ حضور کی تعلیمات کو داخل اور خارجی طور سے سارے عالم میں پھیلا دیا جائے۔ اگرچہ چودہ صدیاں گزر کر اب اسلام پندرہویں صدی میں داخل ہو چکا ہے لیکن دنیا کو (اور خود عالم اسلام کو) علوم نبوت یعنی نبوی رشد و ہدایت، علم و حکمت تدبیر ملک داری اور نظام معاشرت و سیاست کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح ظہور قدسی کے وقت تھی کیونکہ آپ تاقیامت بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی۔ چونکہ حضور کی نظر میں دین خیر خواہی کا نام ہے (چنانچہ فرمایا: **الدِّينُ نَصِيحَةٌ**) اس لئے اس خیر خواہی کے ساتھ یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ سعادتوں کو تمام عالم میں پھیلا دیا جائے جو حضور کی سیرت اور اسوہ حسنہ اور تعلیم میں ہیں تاکہ دنیا راحت و اطمینان اور فلاح و اربین حاصل کر سکے۔

یاد رہے کہ عصر حاضر کی ترکیب میں مغربی تہذیبی دنیا بھی شامل ہے اور سارا مشرق اور عالم اسلام بھی! اسی سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو دو آیتوں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** اور باقی عالم (عامۃ الناس) کے لئے **وَمَا آدُسُكُمْ إِلَّا رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِينَ**۔ جہاں تک خاص مسلمانان عالم کا تعلق ہے ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بنیادی پیغام دو نکتوں میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہو گا کہ اے مسلمانان عالم متفق و متحد ہو جاؤ، تفریق و انتشار سے بچو۔ آیت **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا**۔ بقول اقبال

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے تاجک کا شاعر

اس وقت عالم اسلام کی جو حالت ہے وہ یقیناً تشویشناک ہے۔ مسلم اقوام اپنی داخلی کوتاہیوں اور زیادہ تر درآمدی اجنبی تصورات سے مغلوب ہو کر شقاق و افتراق کی بری حالت میں ہیں جو اَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً کی روح کے منافی رویہ ہے۔ اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے، لہذا قدرتی طور سے حضور اپنی امت کو آج بھی وہی فرمائش گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کریں گے اور یہ حسن اتفاق ہے کہ حال ہی میں صدر مملکت، جنہیں قدرت نے بہت سے سی جگہ اپنے دین کی پاسبانی اور ترجمانی کا شرف بخشا ہے، بتقاضائے آیہ کریمہ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا۔ ایران اور عراق کے مابین مصالحت کروانے کے لئے ایک اور خیر سگالی مشن انجام دے کر واپس لوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ جس طرح حضور کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمتِ عظمیٰ ثابت ہوا تھا اور آپ کی امت دیکھتے دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمتِ اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن امکانات رکھتی ہے۔ بلاشبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے مگر پندرھویں صدی جگہ قرآن کی رو سے امبیداز صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں۔ اور ان رشتوں کے تابع و سائل مادی کی عقلی تعظیم کر کے خود کو ایک بنیانِ موصول بنالیں۔

دوسرا نکتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کا یہ ہو گا کہ اے مسلمانان عالم اپنے اصلی نصب العین یعنی دعوتِ حق کو فراموش نہ کرو اور موعظہ حسنہ اسلام کو آج کے دور میں آج کی زبان اور آج کے محاورے میں پیش کرو اور حکمتِ تسخیرِ کائنات سے بہرہ مند ہو جاؤ۔ دوسروں کی ممکنہ لوجی سے مرعوب ہو کر نہیں بلکہ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ کے علاوہ ایمان یقین، اعمالِ صالحہ اور یومِ آخرت کے ایقان سے مستحکم ہو کر، اس اصول پر آگے بڑھو جس کا درس سیرتِ نبوی میں ملتا ہے۔ وہ درسِ خدا کے ارشاد: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا مِنْهُ -

یہ تو رہا سادہ سا پیغام حضور انور کی طرف سے مسلمانانِ عالم کے نام جس کی تفصیلات قرآن مجید میں الگ الگ بھی ہیں اور یکجا بھی جنہیں مصری فاضل محمد حسین سیکلی نے اپنی کتاب حیات محمد میں یکجا جمع کر دیا ہے (دیکھئے مذکورہ کتاب کا صفحہ ۵۳۲-۵۳۵) یہ گویا ایک منشور انسانیت ہے جو مسلمانوں کے علاوہ سارے عالم کے لئے بھی ہے۔ اس میں سب نیکیاں جمع ہیں اور اسلام عبارت اسی عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر سے ہے اس میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور دیگر اکثر معاشرتی تلقینات موجود ہیں جو زندگی میں پاکیزگی، توسط، حسن معاملہ اور ثروت القلوب پیدا کرتی ہیں اور معاشرے کو اس بے آہنگی سے بچاتی ہیں جو مغرب دنیا میں روز بروز بڑھتی جاتی ہے مگر اس کا ذکر آگے آئے گا (حضور کے دوسرے معاشرتی و اخلاقی احکام کے لئے یکجا دیکھئے مولانا بدر عالم کی کتاب ترجمان السنۃ جلد دوم و سوم)

حضرات ہمارے موضوع کا عنوان تقاضا کرتا ہے کہ حضور کی سیرت پاک کے حوالے سے عصر حاضر یعنی مغرب کے فکری و معاشرتی احوال پر بھی کچھ گفتگو کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ حضور کی تعلیمات سے مغرب کس طرح مستفید ہو سکتا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی ترقی تک پہنچ چکا ہے لیکن عظیم الشان ترقیات کے باوجود جیسا کہ ان کے ادب اور فکری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے وہاں کے افراد سخت بے اطمینانی میں مبتلا ہیں، ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے بنیادی تصویلات کسی خاص قسم کے عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں اور انہیں واقعی کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے جس سے ان کے معاشرے کا توازن بحال ہو جائے اور ہمارا یقین یہ ہے کہ وہ پیغام رحمت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات (قرآن مجید اور سیرت نبویہ) میں موجود ہے۔ رحمت سے مراد کیا ہے؟ اس لفظ کا مادہ رحم (ر ح م) ہے اور رحیم، رحمان بھی مفسرین اور عام عرب زبان شناسوں کے نزدیک اسی مادے سے ہیں۔ "رحم مادر" کی ترکیب کے حوالے سے اس کے مفہوم میں بہت سے جذباتِ محبت و تربیت آگئے ہیں۔ اس کے معنی محبت، شفقت، نرمی اور عقود درگزر ہیں لیکن درحقیقت یہ اس کے محدود معنی ہیں۔ رحمت بہت وسیع لفظ ہے جو خداوند تعالیٰ نے اپنے لئے بھی اور حضور کے لئے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ غور و تدبر سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ اس لفظ میں جملہ

پدرانہ اور مادانہ معلمانہ اور مرتبانہ محبتیں اور شفقتیں جمع ہیں جن کا مکمل احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ مختصراً رحمت شہادہ ربوبیت کا منظر اور سرمایہ بہجت و سعادت بھی ہے اور فرد اور معاشرہ کے جملہ دکھوں کی دوا بھی، اس میں تسلی اور نفاذاتے غم بھی ہے مگر مرتبانہ تربیت اور معلمانہ بشارت کے ساتھ انداز بغرض اصلاح بھی ہے۔ بہر حال رحمت کا غالب عنصر وہ سلوک ہے جس سے قلب انسانی دکھ سے نجات پا کر اطمینان حاصل کر سکے بلکہ اس سے بڑھ کر قلب میں شادابی کی کیفیت پیدا ہو جائے، جو یک گونہ توانائی اور نشرو نما کی صلاحیت کی بھی ضامن ہو۔ لہذا حضور کے پیغام میں یہ سب باتیں موجود ہیں جن کا ذکر ہوا۔

”رحمۃ للعالمین“ کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب کی جلد سوم (صفحہ ۹۲ و بعد) میں حضور کی سیرت طیبہ سے حضور کے رحمۃ للعالمین ہونے کے ۶۶ سوانحی نمایاں شواہد پیش کئے ہیں جن میں آپ نے ان سب غیر معمولی شفقتوں اور بے نظیر مہربانیوں کا تذکرہ لیا ہے جو خدا نے تعالیٰ کے آخری پیغمبر نے کیں۔ اور ان سے ان سب کمالات نبوت (رشد و ہدایت اور خیر خواہی عام) کا ثبوت ملتا ہے جن کا اس سے قبل ذکر آچکا ہے۔ چند مثالیں ہی کافی ہوں گی۔ آپ وہی تھے کہ آپ نے اِدْفَعْ بِاَلَّتَّحٰی هٰی اَحْسَنُ پَر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے وَلَا یَجْبِرُ مَتَّکُمْ شَنَّانُ قَوْمِ عَلٰی اَنْ لَا تَعْدِلُوْا پَر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے فَتَحَ مَکَّہَ کے بعد فرمایا فَاذْهَبُوْا اَنْتُمْ اَطْلُقَآءَ ان مثالوں کے علاوہ حضور کی جملہ تعلیمات میں تسلی، آسودگی، عدل اور رواداری جیسے شواہد رحمت پائے جاتے ہیں۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ مغرب سائیس اور ٹیکنالوجی میں ناقابل یقین کمال تک پہنچ چکا ہے تو اس صورت میں مغرب کو کسی بیرونی پیغام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دعویٰ مغرب کے اکثر مفکر کرتے بھی ہیں لیکن خود مغربی ادب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان سب مذکورہ ترقیات کے باوجود مغرب قلبی اطمینان سے محروم ہے اور امریکہ و یورپ کے معاشرہوں میں کجروی اور بے یقینی کے بحران بھی پیدا ہو گئے ہیں جو پریشانیوں کا موجب ہیں۔ اس لئے پیغام اور رہنمائی کی ضرورت واضح ہے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مغرب کی یہ پریشانیاں کیا ہیں رجن سے ان کے اپنے مصنفوں کے بیان کے مطابق بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت مغرب کی بڑی اور مرکزی پریشانیاں دو ہیں جو باقی سب پر محیط ہیں۔



اول خوف یعنی کسی خوفناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف اور اس کے ہمراہ وسائل زندگی کا تدریجی طور پر یکم ہو کر ختم ہو جانے کا اندیشہ۔

دوم قحطِ الفت و رفاقت و محبت جو کرب تنہائی اور خود بیزاری (ALIENATION) پر منتج ہو رہا ہے اور بقولِ غالب ہے

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے  
اب ان دونوں خوفوں کے اسباب کیا ہیں؟

ٹوائسن بی نے مغربی انتشارِ قلبی کی صرف دو علامتوں کا ذکر کر کے بات ختم کر دی ہے کہ مغرب

کی صرف دو بڑی کمزوریاں ہیں۔ ایک RACIAL DISCRIMINATION اور دوسری ALCOHOLISM

اور شپنگلے نے تو اپنی دوری (CYCLIC) فلسفہ اقوام سے زوالِ مغرب کی اصل بیماری کا ذکر گول ہی کر دیا ہے لیکن بات اتنی ہی نہیں۔ یہ کہانی طویل ہے۔ علامہ اقبال کہہ گئے ہیں

عجب آں نیست کہ اعجازِ مسیحا واری عجب آنست کہ بیمار تو بیمار تر است

در اصل مغربی بیماری کا آغاز اس تصویرِ زندگی سے ہوا کہ دین اور دنیا دو الگ الگ حقیقتیں

ہیں۔ رفتہ رفتہ مادی فلسفوں کی بدولت ماورائی روحانی سب سلسلوں کا انکار ہوتا گیا۔ دیکھتے ہیں کہ ہر وسیلہ علم، زندگی کو مسترد کر کے جزا و سزا اور عشق اور رحمت کے چھپے ہوئے جملہ وسائل سے انسان کو بائوس و محروم کر دیا۔

اور اب آخری نقطہ نظر ہے AUTONOMY OF MAN اور خواہشاتِ نفس کی

بے روک تسکین۔ یہ دراصل انسان کا غرورِ نفس ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:-

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِسِرِّكَ ائْتِكُومِيَّةٌ قَدْرَتِ نَعْمَتِ كُوَايِكُ نَمْتِ سَعِ نُوَازَاتِكَا

جس کا نام سائنس ہے لیکن اس نے سائنس کو بے محور فلسفہ بنا کر اپنی خدائی کے دعوے شروع

کر دیئے اور کہا کہ مذہب اور دین کی ضرورت نہیں کیونکہ سائنس ہر شے کے لئے کافی ہے۔ (فاضل

محمد قطب نے اسے یوں ادا کیا ہے کہ خرابی کی انتہا یوں ہوئی کہ مغرب کے فلسفیوں نے سائنس کو

MYTH بنا دیا دیکھئے ان کا مضمون در کتاب THE CHALLENGE OF ISLAM مرتبہ الطائ

گوہر صفحہ ۳۱۴، جہاں ڈارون، فرائیڈ اور مارکس کے خیالات کا تجزیہ کیا گیا ہے)

بہر حال جب تجربے سے ثابت ہوا کہ سائنس پر حق تو ہے لیکن صرف جزوی حقیقتوں کا ادراک کر سکتی ہے یعنی آلی حقیقت کا نہیں (جس کا احاطہ مذہب ہی کر سکتا ہے) تو اس تجربے سے آہستہ آہستہ ضمیر دار اہل فکر کو محسوس ہوا کہ انسان ایک نہایت ہی وسیع دنیا ہے۔ اس کے داخلی قلبی دکھوں کا علاج سائنس کے پاس نہیں تو مایوسی پھیلنے لگی۔ جان و تن کی تفریق بڑھتی گئی اور دل پڑ مردہ ہوتے گئے۔ اب قریب ہو کر آپ دلوں کو ٹٹولیں گے تو اکثر مغربی لوگ اندر سے دکھی نظر آئیں گے (چنانچہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۸۰ء کا مغربی ادب اسی کرب و اضطراب کا آئینہ دار ہے) معاشرتی اور تخلیقی ادب کے آئینے میں یہ تصویر دکھتی ہو تو ہارورڈ کے پروفیسر T.W. BELL کی کتاب

CULTURAL CONTRADICTIONS OF CAPITALISM تھیابالڈ کی کتاب

BEYOND DESPAIR اور MAGEE کی کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND

کے اوراق پر نظر ڈالئے اور خود دیکھ لیجئے کہ پریشانی، کج روی اور تخریبی احساس کس خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔

غرض مغرب یا عصر حاضر کے دو بڑے بحران یہی ہیں اول غربت جنگ اور اندیشہ قحط و سائل۔ دوم کرب تنہائی اور خاتمہ محبت و رفاقت۔ یہ سب مادی فلسفوں کے نتائج ہیں جن میں خدا کا سہارا ختم کر دیا گیا اور تن کی خواہشات کی تسکین اور عیشِ امروز ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا۔ ایمان باللہ اور ایمانیات سے انکار، دین اور دنیا کی جدائی مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بنیادی پیغام مغرب (عصر حاضر) کے نام عود الی الایمان

(RETURN TO FAITH) ہے۔

ایمان (FAITH) کی اس ضرورت کا احساس دوسری جنگِ عظیم کے فوراً بعد کی مغربی شعوریات میں بھی آہستہ آہستہ پیدا ہوتا گیا تھا۔ جس کا ظہور کئی شکلوں میں ہوا ہے اس کے علمبردار پالیٹلس (PAUL TILLICH) جیسے مغربی مفکر بھی ہیں اور داخلیت کے فلسفی بیوبر (BUBER) RELIGION جیسے بھی ہیں۔ ایک مذہبی مفکر J. B. MAGEE نے ایک مضمون کتاب AND THE MODERN MIND

میں جدید ذہن کا شرح و بسط سے تجزیہ کر کے FAITH کو مغرب کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے

اور ایک اور مصنف نے اپنے ایک مضمون IT IS TIME TO REMIND WEST کے عنوان

سے یورپ کو تنبیہ کی ہے کہ تباہی سے بچنا ہے تو خدا سے تعلق پیدا کرو۔ غرض ایمانیات کے

حق میں آمادگی پائی جاتی ہے اور حضورؐ کے پیغام کے لئے یہ وقت ہر طرح موزوں معلوم ہوتا ہے  
کاش عصر حاضر دین اسلام اور سیرت رسولؐ پاک پر ٹھنڈے دل اور بے تعصبی سے نظر ڈال  
سکے۔

حضورؐ کی تعلیم و تلقین TOTALITY کلیت (دین اور دنیا، تن اور روح کی جامعیت)  
کی طرف رجعت کی دعوت میں رہی ہے تاکہ مغرب نے سخت محنت کے بعد جو مادی ترقی کی ہے  
وہ ضائع نہ ہو جائے۔

میں نے اوپر جس تفریق کا ذکر کیا ہے وہ صرف نظری معاملہ نہیں بلکہ اس کے عملی نتائج و  
فترت نے ساری دنیا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اسی تفریق کے تصور سے قومیت  
(NATIONALISM) کا تصور پیدا ہوا ہے جس نے نسل انسانی کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور  
اب ہر قومیت دوسری قومیت سے گرم یا سرد جنگ میں مبتلا ہے سرمایہ داری اور اشتراکی استبداد  
بھی اسی کے نتیجے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں شعوب و قبائل کی عصبیت اور ان کی باہمی جنگ  
کو (جن کی بنیاد پر آج قومیتیں ابھر رہی ہیں) "آگ" قرار دیا گیا ہے اور الفت و رفاقت  
باہمی کو (بر بنائے وحدت انسانی) نعمت قرار دیا گیا ہے۔ آج بھی دنیا حضورؐ کی دی  
ہوئی اس نعمت کی بڑی شدت سے ضرورت مند ہے۔ آیت قرآنی یہ ہے۔

وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ  
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ  
فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ط (آل عمران ۱۰۳)

(ترجمہ) اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے  
پھر خدا نے اپنی مہربانی سے تم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا اور پھر تم جہنم کے کنارے  
پر پہنچ چکے تھے پھر خدا نے تم کو اس سے نجات بخشی۔

اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ صرف تن اور حواس کی زندگی پر زور دینے  
کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں ABSOLUTES کا انکار کر دیا گیا ہے۔ لہذا اخلاقی اقدار  
نہم ہو گئی ہیں۔ لہذا جبلتوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا اسی سے وہ معاشرتی

اور انفرادی اتار کی (ANARCHY) نمودار ہوئی ہے جو مغرب میں عرفانی جنس پرستی اور "اینگری ہوئے" اور "بار بیک ڈراما" جیسی کجروی کو جنم دے رہی ہے۔ اب زندگی چونکہ تعیش کا دوسرا نام ہے اس لئے دولت پرستی اور زرد اندوزی (سرمایہ واری یا لکاکٹر) واحد مقصد حیات بن گیا ہے چنانچہ اسی کے نتیجے میں استعمار و استحصال عام ہو کر اب دنیا رقابتوں کا مرکز ہے اور دنیا دو مستقل بلاکوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

قرآن مجید نے تکاثر، اسراف وترف کی سخت مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہوگی تو اسے تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے توسط کی زندگی کو اپنانا ہوگا۔ اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانہ روی ہیں اقوام عالم کا ضروری معاشرتی معاشی رویہ بنانا پڑے گا مقصد یہ کہ حضور کی تعلیمات کی رو سے ایک متوسط معاشی نظام ہی دنیا کے معاشی معاشرتی مصائب کا علاج ہے۔ اسلام کے نزدیک مال و دولت یا مناسب سرمایہ کا حصول بڑی چیز نہیں لیکن سرمایہ داری فی الحقیقت بری ہے۔ اسی طرح انسان کی آزادی معاش کو سلب کر لینا بھی مذہوم ہے حضور کی معاشی تعلیم میانہ روی کی دعوت دیتی ہے اور مغرب کے ان دونوں دبستانوں کو حضور کی دعوت پر غور کرنا چاہیے۔

لہذا اسلام اور حضور کی تعلیم اقتصادیات کی طرف بلاتی ہے جس میں سرمایہ داری کے وہ ہولناک مظاہر بھی نہ ہوں جو یورپ اور امریکہ میں نمودار ہوئے ہیں اور اجتماعی پیداوار کے نام سے فرد کی آزادی اور اس کی محنت کا جس طرح استحصال کیا جا رہا ہے وہ بھی نہ ہو۔

اس کے لئے حضور کے قائم کردہ نظام کو کیوں نہ دیکھ لیا جائے، اس پر یقیناً ایک عادلانہ عالمگیر معاشی نظام تیار کیا جاسکتا ہے جس میں ہر کوئی خوش دل سے کماٹے اور بانٹ کر کھانے میرا خیال ہے کہ مغربی مفکرین نے اسلام کے خاندانی نظام کا بغور مطالعہ نہیں کیا ورنہ یہ محبت و تعاون کے علاوہ معاشی کفالت عمومی کی ایک عملی صورت ہے۔ اس کے علاوہ مغرب اگر اسلامی شوری اصول کی روشنی میں اپنی جمہوریت کا بھی تجزیہ کرے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اقتدار کی پسند یا تقویٰ پر یا عقل پر ہونی چاہیے۔ اکثریت کا اصول طفل نفسی سے کم نہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا مطالعہ یقیناً زیادہ عملی اور منصفانہ نتائج پیدا کرے گا۔

اسلام کا ایک اہم عقیدہ وحدت نسل انسانی ہے۔ آیت :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ

مِنْهَا ذَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (۲۷ النساء)

حضرت کی تعلیم اسی عظیم تصور پر زور دیتی ہے اور اس معاشرتی اشتراک کی قائل ہے جس میں

کوئی غیر مسلم معاشرہ بھی مشترک اصولوں پر مسلمانوں سے تعاون کرنے پر قبول کیا جاسکتا ہے۔

اس کا ثبوت یثاقِ مدینہ ہے۔ جس کے ذریعے آپ نے یہودیوں کے ساتھ شہریت میں

اشتراک کیا، اس کے علاوہ آپ نے معاہدہ سلاطین کے نام جو مکاتیب لکھے ان میں کَلِمَةً

سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کے اصول کو دہرایا۔

آپ نے قرآن مجید کی مشہور آیت کہ میرا ان آگرومکم عند اللہ اتقاکم کے

مضمون کے مطابق انسان کی اگر میت کی بنیاد تقویٰ اور شرافتوں کو بنایا اور خطبہ حجتہ الوداع

میں تو صاف اعلان کیا کہ کسی عربی کو بھی پر اور کسی احمر کو اسود پر ترجیح حاصل نہیں۔ صرف تقویٰ

کی بنیاد پر ہر کوئی شخص افضلیت حاصل کر سکتا ہے۔ محض رنگ و نسل وغیرہ کافی نہیں۔ اسلام کی

تاریخ میں ہندوستان اور مصر کے فلام بھی سلاطین بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسی قرآنی تعلیم کا

نتیجہ تھا۔

آج کے دور میں کبھی کھلا اور کبھی کنایتاً سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دوسرے اوصاف

کو وجہ تفاخر بناتی ہیں لیکن حضور کی تعلیم اس کے خلاف ہے اور آپ نے اپنی زندگی میں اس

کے عملی ثبوت بھی پیش کئے ہیں۔ اسی اصول یا عقیدے کی بنیاد پر اسلام کو (PLURALISM)

جیسی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ امریکہ چاہے تو نسلی مسئلے کا حل اسلام کی تعلیم کے ذریعے کر سکتا ہے۔

وحدت نسل انسانی کے تصور کے اندر سے مغرب کے بعض مفکر تمام عالم کی واحد ریاست

کا تخیل پیش کرنے کے مدعی ہیں اور حقوق عامہ کے معاملے میں سبقت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور کنگ

جان کے میگنا کارٹا (۱۲۱۵ء) کو اولین دستاویز حقوق اور بعد کی متعدد وحدت آفرین تجویزوں

مثلاً پین یورپالیگ آف نیشنز اور موجودہ یونائیٹڈ نیشنز وغیرہ کا بطور مثال تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن

حقیقت یہ ہے کہ واحد عالمی ریاست کے نصب العین کا سنگ بنیاد حضور نے یثاقِ مدینہ کے

علاوہ خصوصی طور سے خطبہ حجۃ الوداع میں رکھا تھا۔ جن مثالوں کا ذکر اوپر آیا ہے وہ یا تو محدود  
تخصیص یا ناقابل عمل نہیں کیونکہ ان کی بنیاد صرف مادی تھی اور وہ اس روحانی کشش سے خالی نہیں جو  
قلوب میں پائیدار الفت پیدا کر سکتی ہوں (کتاب UNIFICATION OF MANKIND کے  
آخری باب کے دلائل، اسلامی تعلیمات سے متاثر ہیں)

بالیقین حضورؐ کی دعوت اور سیرت ہی ایک پائیدار دستور العمل ہے جو کسی واحد عالمی ریاست  
کے خواب کی عملی تشکیل کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ رب العالمین اور جمیع الناس کے اصول پر مبنی ہے۔  
حضرات! جس دن مغرب ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لے گا اس کے جملہ اقتضائی معاشرتی  
معاشرتی اور تعزیریاتی نظام خود بخود خدا ترسی، انصاف، عدل، رفاقت، مساوات اور توسط کے  
اصولوں پر چلنے لگیں گے، گویا زمین پر اللہ کی حاکمیت ہو جائے گی۔

صدر گرامی قدر و خواتین و حضرات!

اس خاکسار بے مقدار نے ڈرتے ڈرتے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ میں برابر سوچتا رہا کہ  
اگر نوک سوزن کے بھی بے اعتدالی ہو گئی تو دنیا و آخرت کا خسارہ یقینی، آج کا دن ۱۲ ربیع الاول  
حضورؐ کے پاس ادب کے نیچے دبا جا رہا ہوں۔ قلم پر جو عمر بھر ایک مدرس و معلم کا قلم رہا ہے آج اسے  
بڑی مشکل سے گزرا نا پڑا۔ پلوں سے سوئیاں چینی پڑیں۔ بہر حال معذرت ہے حضرت رسالتؐ سے  
کہ میں ذرا بھی حق ادا نہ کر سکا۔

دامانِ بگمہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار  
گلِ چینِ بہارِ تو ز دامانِ گلہ دار

اور آخر میں پھر حمد پروردگار ہے اور اس کے بعد صلوٰۃ و سلام حضورؐ پر نور پر۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

# سیرت مصطفیٰ میں عصر حاضر کی کھلے پیغام

(جناب جسٹس صلاح الدین احمد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایمان اور اعمال صالحہ قرآن پاک کے بنیادی نکات ہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمات قرآنی کے پیکر تھے۔ آپ نے قرآن کی اعلیٰ و پاکیزہ تعلیمات کو اپنے اعمال میں ڈھال لیا اور دنیا کو دکھایا کہ یہ تعلیمات عام انسانیت کے لئے قابل عمل اور فیض رساں ہیں مسلمان بالخصوص اور باقی دنیا کو بالعموم اس ذات گرامی کا احساندہونا چاہیے۔ جس نے عالم انسانیت کی یہ بے نظیر خدمت انجام دی۔

یہ پیغام دو بنیادوں پر محیط ہے۔ ایمان اور احسان اور یہی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ایمان عبادات اور قوانین کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی بنیاد ہے۔ یہ وہ سرچشمہ ہے۔ جس سے باری تعالیٰ نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آبیاری فرمائی جس سے نیکی اور سلامتی کے چشمے پھوٹے۔

لوگوں نے ابتدا میں اس پیغام کو رو کرنے کی کوشش کی اور جناب صادق و امین کو دولت اور اقتدار کی رشوتوں سے خریدنے کی کوششیں کی اور جب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھکرا دیں تو انہوں نے اپنی تمام توانائیاں انہیں ایذا پہنچانے میں صرف کرنا شروع کر دیں۔ مگر اس ذات والا صفات نے اپنے چچا حضرت ابوطالب سے فرمایا۔ " اللہ شاہد ہے کہ اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سوزج اور بائیں پر چاند لاکر رکھ دیں۔ تو بھی میں اللہ کے پیغام پہنچانے سے روگردانی نہ کروں گا۔ چاہے میں اس میں ہلاک ہی ہو جاؤں۔ "

اگر ہم جناب رسالت مآب کی کئی زندگی کا تجزیہ کریں۔ اور ان کی تعلیمات کا احاطہ کریں۔ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنا جسم و قلب اور اپنی تمام سعی و کوششیں وقف کر دی تھیں۔ اور اپنی اور اپنے

جانثاروں کی زندگیوں صرف کر دیں توحید کی بنیادی نقش بندی کو اجاگر کرنے کے لئے وہ اپنے دشمنوں سے جنگ و صلح کے ذریعے اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو علم اور تبلیغ سے اس ایک بات پر جمع ہو جانے کی دعوت دیتے رہے کہ آؤ ہم سب اس واحد خدا کی عبادت پر متفق ہو جائیں۔ ایسی عبادت جس میں کسی دوسرے کے شریک ہونے کی ہوئی گنجائش نہ ہو۔ (۶۴ : ۱۳) انہوں نے عالم انسانیت کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلایا اور پسندیدہ طریقہ اور شائستگی سے ان سے بحثیں فرمائیں (۱۲۵ : ۱۶) اور انہیں بتایا کہ خدا کی واحدانیت پر قائم نیکو کاری کے دین کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ اور اس پر اس کی تمام خلقت کی یکجہتی کا انحصار ہے۔

جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔ اسی کی سلطنت ہے۔ آسمانوں اور زمین میں۔ وہی حیات دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور وہی ہر چیز پر قادر ہے پہلے بھی وہی ہے۔ اور سب سے پیچھے بھی وہی، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہی ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے۔" (۱۳ : ۵۷) اس تعلیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فکر انسانی میں رفعت اور عقیدہ توحید جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا وہی تمام خیر و فلاح اور ادب و سعادت کا سرچشمہ بنا۔ خدا کے ایک ہونے پر ایمان کے نتیجے سے ہی تمام نیکی و سعادت ابھرتی ہے۔ یہ وہ رشتہ ہے جو پیغام ربانی کی نام لیاؤں کو ایک لڑی میں منسلک کر دیتا ہے۔ اور انہیں تو انائی بخشتا ہے۔ کیونکہ اس کی مثال اس ناظر کی ہے۔ جو جسم و روح میں قائم ہے۔ کہ جو نہی جسم سے روح رخصت ہو جاتی ہے اس میں ایسا بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جو اسے نیا نیا کر دیتا ہے۔

مذہبی قوانین جن کے پیچھے عقیدہ کی روح نہ ہو علم قوانین کی مانند ہو جاتے ہیں جن کی پائیداری انہیں پر منحصر ہوتی ہے۔ جو انہیں قوت بخشتے ہیں اور جو ان محركات کے محروم ہونے پر خود بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ کی قوت ہی ہوتی ہے۔ جو قوانین کو تقدس بخشتی ہے اور عام فرد کو قانون سے ایسا قلبی لگاؤ عطا کر دیتی ہے۔ کہ وہ بغیر خارجی دباؤ کے انہیں اپنی زندگی میں جاری و ساری کر دیتا ہے

اگر تمام انسان اس عقیدہ کی گہرائیوں کو اپنی ارواح میں جذب کریں۔ تو پھر ان کی راہ میں کوئی مشکل نہیں رہتی۔ نہ وہ کسی خارجی دباؤ یا قوت کا شکار ہوتے ہیں۔ اور نہ اس عقیدہ کے ماسوا کوئی اور چیز انہیں رہنمائی دے سکتی ہے۔ اس نکتہ کے روح عالم میں آنجناب کی بدولت ہی تمام دنیا میں ضمیر



کی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ ایک طریق عمل جو تمام آلائشوں سے پاک اور صمیم قلب سے عمل پذیر ہو جو اس کا خاصہ ہیں۔ ایک مومن کو فوراً یہ احساس ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا معاملہ بلا واسطہ اس کے خدا سے متعلق ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے اعمال کے لئے صرف اپنے خدا کے حضور جواب دہ ہوتا ہے۔ اور یہ احساس اسے نہ بڑی برائے کی طرف جانے دیتا ہے اور نہ صغیرہ گناہوں کی طرف ایمان کو جیب ایسا قالب میسر آ جاتا ہے۔ تو عالم انسانیت کو مرد کامل مل جاتا ہے۔

اگر کوئی معاشرہ اسی قسم کے افراد پر مشتمل ہو۔ تو وہ اپنی بقاعدگی کے لئے ہمدردی اور نیکی کا سہارا پالیتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ ”یقیناً وہ شخص مومن نہیں ہے جو دوسروں کے لئے وہ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے“ اور یہ کہ ”اس پر رحم کیا جائیگا جو دوسروں سے رحم سے پیش آئے گا، اور یہ کہ زمین کے رہنے والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔“

اور یقیناً یہ ایک مطمئن معاشرے کی خصوصیات ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے اس میں مضمر سچائیوں اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے قریب ہونے کی وجہ سے، عقیدہ ایمان اور قانون کے ذریعہ اصلاح کا بیڑہ اٹھایا یہاں قیادت ان لوگوں کو دی جاتی تھی جنہیں اہل ایمان احکام خداوندی کی پابندی کروانے کے قابل پاتے تھے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ دنیا میں فساد کیوں پھیل گیا ہے۔ جبکہ مسلمانوں سے تمام کراہتیں بھرا ہوا ہے۔ تو جواب اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں یہ ہو گا۔

”ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں (۱۰۶: ۱۲) اور بقول جناب رسالت مآبؐ:-

”مومن نہیں ہے۔ یقیناً وہ مومن نہیں ہے۔ جس کی زیادتی سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں ہے اس نام کی دوسری بنیادی چیز اعمال صالحہ ہے۔ قرآن کے تقریباً ہر رکوع میں اچھے اعمال کو ایمان کا لازمہ بتایا گیا ہے۔ اسلامی شریعت تمام وکمال اسی کی شرح و بسط ہے۔ کہ کیا اچھا ہے۔ اور کیا اچھا نہیں ہے۔ یہ بالتفصیل و بالتصريح وہ تمام بنیادیں فراہم کرتی ہے جس پر ایک مسلمان کو اپنی زندگی کا چلن استوار کرنا ہوتا ہے۔ ان تمام معاملات میں جو انسان کے اس کے خدا سے متعلق

یا اس کی مخلوقات سے وابستہ ہیں اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے تمام اعمال کے ذریعہ اسے مقام عبودیت سے آشنا کرتی ہے۔ عبادت کے مناسک جو روح کو خلا اور جسم کو پاکیزگی بخشتے ہیں۔ اور مسلمان کی شخصیت کو ابھارنے میں مدد ہوتے ہیں۔ دراصل ایسے طریقے اور ضابطے ہیں جو فرد اور معاشرے کے تعلقات کو صحت بخشتے ہیں۔ ان میں ضبط و نظم پر جو زور ہے۔ وہ معاشرتی مساوات کو وجود میں لاتے ہیں جو ایک اخلاقی معاشرہ کے لئے لازم ہے اور اس معاشرے کے افراد کے مابین ہمدردی اور ایک دوسرے کی مدد کے جذبات استوار ہوتے ہیں۔ جو ہر قسم کے حالات میں معاشرے کی ترقی و بہبود میں معاون ہوتے ہیں۔

نیکی کاری سے اصول پروری ہوتی ہے اور عبادت گزاری کے طریقے معین ہوتے ہیں ان اصول کی جڑیں ہمدردی اور بھائی چارہ میں ہوتی ہیں ترجم خاصہ خداوندی ہے۔ مسلمان ہر چھوٹا موٹا کام اور ہر خفیف سی حرکت بھی شروع کرتے ہیں تو "اس کے نام سے جو بڑا مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیج کو (اسلام علیکم) آیات قرآنی واضح ثبوت ہیں کہ رحم دل کا جذبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت دل پسند تھا۔ اگر ہمدردی کا جذبہ انسان کے دل سے مٹ جائے تو وہ خود بھی دنیا سے مٹ جاتا ہے۔ اور اگر یہ جذبہ کسی قوم میں مفقود ہو جائے وہ قوم کہہ ارض کے لئے طاؤن کی مثال بن جاتی ہے۔ رحم دل کی جو تمام ترقی کی بنیاد ہے مسلمانوں نے تبلیغ کی اس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کی، درحقیقت یہ اللہ کے تمام رسولوں اور نیک لوگوں کا پیغام تھا۔ دنیا میں کوئی قوم اس جذبے سے عادی ہو کر کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتی۔ اگر آج دنیا پر نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوگا کہ یہ جذبہ انسانوں کے دل سے اٹھ چکا ہے۔ کیا اس جذبے سے خالی ہو کر انسان انتہائی وحشت ناک درندوں سے بازی نہیں لے جا چکا۔ کیا وہ لوگ جو آج اپنے آپ کو مہذب کہتے ہیں ظلم و دہشت گردی میں چنگیز خان سے بازی نہیں لے گئے۔ کیا شہروں میں رہنے والی نہتی آبادیوں پر نساؤں سے حملے شہادت کی انتہا نہیں ہیں۔ کیا یہ سب ایک عالمگیر تباہی کا پیش خیمہ نہیں ہیں۔

اعمال صالحہ کا دوسرا اصول اخوت ہے۔ جو آج دنیا کی ضرورت بن چکا ہے

فرد و بشر اس کا متمنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو مختلف اقوام اور خاندان بنا دیا۔ کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک زیادہ معزز ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔ اور پورا خبردار ہے“ (۱۳: ۷۹)

اس اخوت کا پیغام اس کے رحم و ہمدردی کے پیغام کا ایک حصہ تھا۔ چونکہ اس نے یہ طے کیا تھا کہ انہی دو طریقوں سے لوگوں کے خوشحالی کے حصول میں تمام رکاوٹیں دور کی جاسکتی ہیں اور انہیں دنیا میں جنت مل سکتی ہے۔ انسان پر کرم کرنا اللہ کے ساتھ نیکی کرنے کی مترادف سمجھا گیا ہے حالات فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کو کسی کے کرم کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ اس عمل سے اتنا خوش ہوتا ہے۔ کہ انسانوں کے اس برتاؤ کو اپنی ذات کے ساتھ ایسا برتاؤ قرار دیتا ہے۔ یہ اصول اتنی وسعت اختیار کر لیتا ہے۔ کہ تمام عالم انسانیت کو بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ یہ جذبہ جب مومن کے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ تو اللہ نے اپنی عظیم ترین رحمت یہ کہ کربندوں کو عطا کی ”اور اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب“ میں الفت ڈال دی سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے (۱۳: ۱۱۳)

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمام عالم انسانیت کو ایک خدا کی پرستش اور اسے ایک خدا کے تحت ایک ملت بن جانے کا ہے۔ اخوت کے جس جذبے کی یہ پیغام تبلیغ کرتا ہے۔ وہ ایمان کا ایک جزو ہے۔ جو قوموں میں نسلوں میں، فاختہیں اور مفتوحین میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ یہ اس جذبے کو اتنی وسعت دیتا ہے کہ پوری کی پوری انسانیت کو اس کے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ یہ استبداد کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور اللہ کے طریقے، حکومت اور خوش اسلوبی سے بیان کرتا ہے۔ اخوت انسانی کا نظریہ تبدیل نور کی مانند ہے جو ظلم اور جنگ و جدل کی تاریکی میں امن و سلامتی کی راہ روشن کرتی ہے مومن زمین کے حصول اور لوٹ مار کے لئے یا کسی کو فتح کرنے یا لوگوں کو ذلیل کرنے کے لئے جنگ نہیں کرتا۔ یہ اگر اس پر مجبور ہوتا ہے۔ تو محض ایمان اور عقیدے کی آزادی اور اس کے تحفظ کے لئے۔

”دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت تو گراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے“ (۲: ۲۵۶)

سیرت کے اجتماعات اپنی افادیت رکھتے ہیں یہ ہمیں موقع فراہم کرتے ہیں کہ اپنے ہمادی برحق کے

زندگی کے واقعات اور پیغام کا مطالعہ کریں۔ ہمیں ان اجتماعات کو تجدیدِ ایمان کا ذریعہ بنا کر اپنی ذات کو نیک عمل کے لئے وقت کر دینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس قابل ہونا چاہیے کہ ہم ایسے عملی پروگرام وضع کر سکیں۔ جو ہماری حیات ملی کے استحکام کا باعث اور جو نیکی کرنے کا عزم فراہم کریں۔ اور پھر ایسی قرارداد پر بھائی چارہ موت اور شفقت کے عمل کے ساتھ ہمیں عملاً دوسرے انسان کے ساتھ محبت اور سہمدردی کا مظاہرہ کر کے ایک خالق کی ایک مخلوق ہونے کا اظہار کرنا چاہیے۔ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں عدل و احسان پر عمل کرنا چاہیے۔ اور اپنی زندگی کو اسی کے سانچے میں ڈھال دینا چاہیے۔ طاقتور کو موہبت اور حرکت کے نرم اور ریشمی قرینوں سے انصاف کی راہ پر لانا چاہیے جہاں انصاف کرنے کا تقاضا ہو۔ اور کمزور کو پورے خلوص اور سہمدردی کے ساتھ بہرہ مدد بہم پہنچانی چاہیے جو اس کے لئے حصول انصاف میں مدد ہو۔ دونوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ منصفانہ اور خدا ترسی پر مبنی ہونا چاہیے کہ اللہ ہی دونوں کا محافظ ہے۔

اللہ فرماتا ہے " اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسن سلوک رکھو والدین کے ساتھ قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہارے ملک میں ہیں۔ ان کے ساتھ اور اللہ ایسے کو قطعاً دوست نہیں رکھتا جو خود نگر اور فخر کرنے والے ہیں۔ (۲: ۳۶) "

ایمان اور نیکی کی انفرادی اور اجتماعی سعی کے لئے مسجد سے بڑھ کر اور کونسا ادارہ ہو سکتا ہے جسے ہمارے معاشرے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور جس سے نور کی شعاعیں ماحول کو روشن کر سکتی ہیں۔ اور جہاں سے علم و حکمت کی روشنی پھیلائی جاسکتی ہے۔ اس ادارے کے اندر فلاح و بہبود کی راہیں کھولی جاسکتی ہیں اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ دنیا کے تمام مقامات میں مسجد اللہ کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ ہمیں ایک جامع منصوبہ مساجد کی افادیت اور اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی نلاح کے لئے بنانا چاہیے۔ مگر سیرت کی مجالس صرف کلام کی حد تک محدود رہیں اور ان سے عملی نتیجہ اخذ نہ کیا جائے۔ تو یہ محض تضييع اوقات ہوں گی۔ انفرادی طور پر ہمیں آغاز کا ہر روز ایک نیک عمل کر کے اور اس ایک نیکی کے لئے میدان عمل کی تلاش میں گزارنا چاہیے۔ ہر فرد دوسرے کو اس کی تبلیغ کرے۔ ہر آدمی صبر و تحمل کی خوشنویس پیدا کرے اور اس کے لئے روزانہ موضوع

تلاش کرے۔ ہمارے علما اور مشائخ مساجد کا اہتمام اس طرح کریں کہ اچھائی پھیلے اور برائی کا سدباب ہو۔ تاکہ ایک روز یہ پوری امت ایک ایسے جسم کی شکل اختیار کر لے جس میں ایک ہی روح اور دل میں ایک ہی دھڑکن بستی ہو۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

# سیرت نبوی میں عصر حاضر کیلئے پیغام

(جناب جسٹس کریم اللہ ورائی)

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

عزت بخاری نے کہا تھا ہے

ادب کا ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کر وہ می آید جنید و بایزیدہ ایچا

اس بارگاہ جمال و کمال میں اپنا خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے جلسہ کے منتظمین کے حکم سے

حاضر ہوا ہوں اور مجھے اس بات کا احساس ہے کہ سیرت کا اجلاس سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہونے کی، ان کے ذکر و تذکار ہونے کی وجہ اب لوگوں نے بخوشی خاطر مسلسل دو روز صبح سے لے کر

شام تک یہاں بیٹھ کر اس میں شمولیت فرمائی۔ یقین فرمائیے یہ اگر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجلاس

نہ ہوتا تو یہ طوالت اتنی گراں بار تھی کہ بہت مشکل تھا کہ کوئی اس میں اتنے عرصے تک بیٹھ سکتا،

تو حاضرین کو لم اور خواتین محترم میرا یہ فرض ہے کہ آخر میں میں رسمی طور پر ان حضرات کا جنہوں نے یہاں

آنے کی تکلیف کی اور اپنے انکار سے ہمیں نوازا ان کا شکریہ ادا کروں اور وہ میں ادا کروں گا

آخر میں۔ البتہ اس سے پہلے میں اپنی سعادت کے لئے اپنی فلاح کے لئے بارگاہ رسالت مآب

صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت کا کچھ نہ کچھ ہدیہ پیش کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں کتنا

فاصلی کتنا عاصی انسان ہوں میں جانتا ہوں کہ وہ جو عارف جامی نے کہا کہ

ہزار بار بشوئم دہن ز مشک و گلاب

مہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ہزار بار عطر و گلاب سے دھونے سے بھی وہ پاکیزگی نہیں آتی کہ آپ کا ذکر کیا جائے لیکن

مصر کی اس روایتی بوڑھیا کی مانند جو کچے سوت کی اٹی لے کر جمال پوسٹ کی خریداری کے لئے آئی تھی میں بھی تمام عجز و احترام کے ساتھ اس بارگاہ رسالت میں اپنا خراج عقیدت پیش کرتا ہوں میرے عزیز بھائی بہنوں نے مجھ سے پہلے اس اجلاس میں سیرت پاک کے ہر پہلو پر شرح و بسط سے روشنی ڈالی مزید عرض کرونگا کہ تمام ادیان عالم کے رہنما اور ہماری مصلحین تاریخ کی اٹھارہ گہرائیوں میں گم ہو چکے ہیں۔ ان کی شخصیتوں پر، ان کے پیغامات پر، ان کے احکامات اور ان کے طریق زندگی عرض ہر چیز پر ماضی کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں کہ ان میں سے جھانکا نہیں جاسکتا لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کہ آپ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ ایک ایک لمحہ تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے۔ اور اس امت نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ کے اس حکم کی

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

کی پابندی کرتے ہوئے اتنا اہتمام کیا اتنی احتیاط کی کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت بائیزید بسطامیؒ تمام عمر خر بوزہ اس لئے نہ کھا سکے کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا حضور نے خر بوزہ کھایا تھا۔ اگر کھایا تھا تو کس طریقے سے نوش فرمایا تھا۔ تو یہ محبت اور عقیدت حضور کے ایک ایک بات اور ایک ایک حکم سے جو امت کو تھی۔ اس نے حضور کی منزہ و پاک زندگی کو اتنی عمدگی کے ساتھ محفوظ کیا ہے کہ آج اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روز و شب کی تمام باتیں عیاں ہو جاتی ہیں اور اگر کسی چیز میں کسی وقت کچھ اشکال پیدا ہوتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس امت مسلمہ میں وہ لوگ جن کو اللہ کے رسول کے قول کے مطابق بنی اسرائیل کے انبیاء کا درجہ حاصل ہے۔ یہ علماء کرام اس اشکال کو دیتے ہیں اور پتہ چل جاتا ہے کہ اصل بات کیا ہے۔

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی پر نگاہ ڈالئے اور بالکل عقیدت کے جذبوں سے بھی الگ ہو جائیے۔ اگرچہ اقبال نے بڑا صحیح کہا ہے کہ

می توانی منکر بزداں شدن      منکر از شان نبی نتوان شدن

اللہ سے انکار ہو سکتا ہے مگر نبی کی شان سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن تھوڑی دیر کیلئے

بحث کی خاطر آپ اپنے ذہن سے مذہبی عقیدت کو الگ بھی کر دیں اور ایک غیر جانبدارانہ نگاہ

والہیں تو بھی اس ذات ستودہ صفات کی زندگی میں ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں جسے بہتر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ مجھے احساس ہے کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے اور مجھے یہ بھی احساس ہے کہ یہ اہل علم کا مجمع ہے جس میں مجھے کسی زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشارتاً بات کرتا چلا جاؤں گا۔ تو حضور رحمتہ العالمین کی ذاتِ گرامی میں اگر ایک طرف ہمیں نبوت کے جمال کی انتہا ملتی ہے۔ تو دوسری طرف خلافت الہیہ کے جلال کا کمال بھی نظر آتا ہے۔ غزوہ احزاب میں جب صحابہ نے یہ شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم بھوکے ہیں۔ اور بتایا کہ ان کے شکلوں پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے نظر آئے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی کوئی ایک ہفتہ ایسا نہیں گذرا جب انہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہو تو یہ نبوت کے جمال کی انتہا ان میں نظر آتی ہے کہ قریش کا اجتماعی طور پر آکے اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ کہنا کہ اگر آپ کو حکومت کی ضرورت ہے تو پیش کی جاسکتی ہے۔ اگر آپ کو کسی کے حسن نے شکار کیا ہو تو آپ کا نکاح کرایا جاسکتا ہے یا آپ کے سامنے دولت کے انبار لگائے جاسکتے ہیں تو اس زبانِ قدسی صفات سے جواب آیا تو یہ کہ اے چچا اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں اللہ کا کلام ان تک پہنچانے سے باز نہیں آؤں گا۔ چاہے میں اس میں ہلاک ہی ہو جاؤں تو یہ جمالِ نبوت کی انتہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی اور جملہ انبیاء علیہم السلام اور مصلح جو آئے ہیں ان کی ذاتِ ہائے والا صفات میں جو ایک ایک خوبی نظر آتی ہے کسی میں حلم کی، کسی میں صبر کی، کسی میں استقامت کی، کسی میں اعلیٰ کلمۃ الحق کے لئے فرعون سے ٹکرا جانے کی اور کسی میں نرود کی جلانی ہوئی آگ میں کود جانے کی، یہ تمام خوبیاں جو ان میں فرداً فرداً تھی حضور کی ذاتِ گرامی میں سب سمٹ آئی ہیں۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو نبوت کے جمال کا یہ عالم جو میں نے آپ سے عرض کیا اور نیابتِ الہی کے جلال کے کمال کا یہ عالم کے نبو مخروم کی ایک عورت چوری کرتی ہے اور اس جرم میں ماخوذ ہو کے آتی ہے



بہت بڑے گھر کی عورت ہے اور اسے نزا دینے سے بڑے مخالفت قسم کے اور مضر قسم کے انزات معاشرے میں مسلمانوں کے خلاف مرتب ہو سکتے ہیں لہذا چند صحابہ کی یہ رائے ہوتی ہے کہ اس عورت کے لئے حضور سے کچھ آسانی کی رعایت حاصل کر لی جائے اور اس سفارش کے لئے کسے چنتے ہیں۔ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت اسامہ کا یہ عالم ہے کہ حضور کی گود میں کھیلے ہیں حضور کے پوتے کے طور پر پلے ہیں اور جب فتح مکہ کہ روز اللہ کا رسول اپنی ناقہ پر سوار مکہ میں فاتح داخل ہو رہے تھے۔ تو اس اونٹنی پر حضور کے آگے حضرت اسامہ بیٹھے تھے۔ جب کہ حضور کی گردن کسی دنیاوی فاتح کے طوق پر تنی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک نبی کی گردن تھی جو اللہ کے حضور کجاوے کی لکڑی سے لگی چلی جاتی تھی۔ اس اظہارِ شکر میں کہ آج اللہ کا دین غالب منصور ہو کر کے اس جگہ میں آ رہا تھا جہاں سے یتیموں کی طرح بے آسروں کی طرح رات کی تاریکی میں اللہ کے نبی کو نکالا گیا تھا۔ تو حضرت اسامہ کو شرف حاصل تھا کہ اس اونٹ پر حضور کے سامنے سوار تھے حضرت اسامہ وہ ہیں کہ حضور نے مرض الموت میں جو لشکر مرتب فرمایا اس کی سرداری کے لئے حضرات اسامہ کو مقرر فرمایا اور ان کی تابعداری میں ان کی قیادت میں اکابر صحابہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ مقرر کیے گئے جو ان کی فوج کے جیش میں شامل ہو کر جاتے اور ان کی سپہ سالاری میں لڑتے اس کو شیفیع بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا گیا کہ حضور اس عورت کے معاملہ میں کچھ رعایت فرمائیں۔ تو زبان نبوت پر جو الفاظ آنے وہ یہ تھے کہ تم سے پہلے تو میں جو تباہ ہوئی ہیں وہ اس لئے ہوتی ہیں، کہ جب غریب اور لاچار لوگ جرم کرتے تھے تو انہیں نزا دیتے تھے۔ اور جب ان کے عظیم المرتبت افراد پر بات آتی تھی۔ تو انہیں چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی اس چوری کے جرم میں ماخوذ ہوتی تو میں اس کو بھی ہاتھ کاٹ دینے کی نزا دیتا۔

تو میرے عزیز و یہ ہے خلافت الہیہ کے جلال کا منظر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نظر آتا ہے۔ حضور رحمت العالمین کی ذات کے طفیل اللہ نے انسانوں کے لئے ایک ایسا معاشرہ اس معمورے میں برپا کیا کہ اس معاشرے کو اسی کی حالت کو دیکھیں، اس کے طریق کو دیکھیں، اس کے عمل کو دیکھیں، اس کے افعال کو دیکھیں، اور ان کی نیت کو ان کے حسن عمل کو دیکھیں۔ حیرت

ہوتی ہے کہ آیا دُنیا میں انسانوں کی آبادیاں ایسی بھی ہو سکتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہوا ہے۔ کہ اے لوگو! تم ایک نفس واحد کی اولاد ہو جس سے اللہ نے ایک جوڑے کو پیدا کیا تھا اور تم سب کے سب ایک خدا واحد کے بندے ہو۔ تو یہ توحید کا درس جو اُس عالم انسانیت کو دیا جس کے اندر فرقہ واریاں تھیں۔ جن کے اندر طبقہ بندیاں تھیں۔ جن کے اندر غلامی تھی۔ جن کے اندر جاگیرداری تھی، جس کے اندر قیصریت تھی، کسرایت تھی، خود عربستان کے اندر کیا عالم تھا آپ کو معلوم ہے وہاں یہ کہا کہ کالا کلوٹا حبشی اور سُرخ اور گورا آدمی دونوں ایک خدا کی مخلوق ہیں ایک آقا کے نوکر ہیں۔ ایک مالک کے بندے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں تفریقِ مراتب اُٹھ گئی۔ چھوٹے اور بڑے کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ جب ایک آقا کے غلام، ایک مالک کے نوکر اور ایک خدا کے بندے ہوئے۔ تو ان کے درمیان آپس میں کوئی اونچ نیچ نہ رہی۔ مراتب کی تمام تفریق اُٹھ گئی۔ چھوٹے بڑے کے درمیان کے فاصلے معدوم ہو گئے۔ سب کے سب برابر ہو گئے اور اُس کی توحید کی تعلیم کا منطقی نتیجہ اور جو اس کا لازمہ تھا وہ یہ نکلا کہ معاشرہ میں وہ مساوات پیدا ہو گئی جس نے عالم انسانیت کو اس کا شرف عطا کر دیا۔ حجتہ الوداع میں فرمایا کہ کالے کو گورے پر اور سُرخ کو سفید پر کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں اور اللہ جل شانہ نے قاعدہ کلیہ بیان کر دیا کہ ہم نے تم کو قبائل میں اور شُعب میں اس لئے بانٹا ہے اور بنایا ہے تاکہ تمہاری پہچان کا ایک ذریعہ ہو ورنہ یاد رکھو۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

اللہ کے نزدیک تو وہی معزز اور وہی محترم اور عزیز ہے۔ جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے تو یہ توحید کے درس کے نتیجہ میں مساوات پیدا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ استوار کیا اس کی بنیادیں باہمی ہمدردی، بھائی چارہ اور اخوت پر رکھیں۔ یہ معاشرہ ایک دوسرے کا ہمدرد و غم گسار تھا اس معاشرے میں یہ عالم تھا کہ کوئی آدمی پھل کھانے کے بعد برسر عام چھلکے پھینکنے تک کا روادار نہیں تھا اس کے ہادی کی ہدایت تھی کہ جس کو پھل میسر نہیں اس کے دل میں احساسِ محرومی نہ پیدا ہونے پائے۔ عالم انسانیت کو توحید کا درس دے کر مساوات کی لڑائی میں پرویا اور نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مساوات پیدا ہوئی توحید کے درس سے معاشرہ میں صبر کا

استحصال کا امکان اُٹھ گیا۔ جب سب ایک ہوئے سب آپس میں برابر ہوئے تو کسی فرد کو یہ حق نہ رہا کہ کوئی فرد دوسرے پر جبر کر سکے افراد میں سے باہمی جبر مٹ گیا۔ فرد پر سے استحصال ختم ہو گیا اور سب کے سب ان انعامات میں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔ برابر کے حصہ دار ہوئے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض عاید ہوتے ہیں اور جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ان کی سجاوڑی ان سب پر اسی طرح سے برابر کر دی گئی کہ خود نبی بھی جہاد میں جاتے تھے قتال میں شامل ہوتے تھے۔ اور دوسرے صحابہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ اور جب ایک مرتبہ تین آدمی پیچھے رہ گئے تو سورۃ توبہ ان کا واقعہ بیان کرتی ہے کہ پورے معاشرہ نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ تفصیل میں کیا جاؤں آپ کے سامنے ایک الزام عاید ہوتا ہے۔ اور مستشرقین نے ہمیشہ کہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور وہ اس لئے کہ تاریخ میں انہوں نے دیکھا کہ لادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے فوراً بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اسلامی لشکر اطراف میں بڑھے فتوحات کیں قیصر و کسریٰ کو ختم کیا اب یہاں ایک گزارش کروں کہ توحید کے درک سے پیدا ہونے والا معاشرہ جس میں ایک انسان دوسرے انسان کے برابر ہوتا ہے وہ جس طرح اپنے اندر ایک فرد کا دوسرے فرد پر جبر اور ایک فرد کا دوسرے فرد پر کسی قسم کا استبداد گوارا نہیں کرتا اس طرح وہ کڑھ عرض پر انسانوں کے کسی ایک گروہ کی طرف سے دوسرے گروہ پر ظلم و استبداد کی اجازت نہیں دے سکتا۔

جب جزیرہ نما شے عرب میں اسلام نے جڑیں پکڑ لیں تو اسلام کی اس تعلیم کا اس نقطہ توحید کا لازمہ یہ تھا کہ یہ اپنے اطراف میں دائیں طرف اگر قیصر کو پاتے تھے۔ یا بائیں طرف کسریٰ کو پاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو چند آدمیوں کا غلام اور زیر دست دیکھتے تھے۔ اور دنیا میں اللہ کی مخلوق پر ظلم ہوتا دیکھ رہے تھے تو پھر یہ معاشرہ اپنے فرض میں کوتاہی کرتا اگر اپنی حدود سے باہر نکال کر اس ظلم کو ملیا میٹ نہ کرتا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا تھا کہ قیصر تمہارے ہاتھ سے ختم ہو گا اور دوسرا قیصر پیدا نہیں ہو گا۔ کسریٰ ختم ہو گا۔ اور دوسرا کسریٰ پیدا نہیں ہو گا۔ تو اسلام اور کسریٰ ایت اور قیصر ایت جو ایک دوسرے کی ضد ایک مہمورے میں ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ اور آج بھی اگر دنیا میں ظلم کی حکمرانی ہے اگر کہیں انسان کا استحصال ہے کہیں جبر و استبداد قائم ہے تو یقین فرما

کہ اسلامی معاشرہ باقی دنیا میں مثالی معاشرہ نہیں رہا جسے اللہ جل شانہ نے اس دنیا میں قائم کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا اور اگر مسلمان اس دنیا میں صحیح معنوں میں اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہو جائیں تو اس دنیا کے اندر وہ کس استبداد اور جبر کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ کاؤنٹ جو لین نے اسپین سے پکارا موسیٰ ابن نصیر کو کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے یہاں کے بادشاہ نے میری لڑکی کی عزت کو پامال کر دیا ہے اور جہاں معلوم ہوا کہ مندر کے پار اس خطے میں جس سے بظاہر ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اللہ کی مخلوق پر کچھ ظالم لوگ حکمران ہو چکے ہیں اور جو اپنی حکمرانی کو ناجائز استعمال کرتے ہوئے ظلم توڑ رہے ہیں تو کوئی چارہ نہ تھا اسلامی معاشرہ کے لئے سوائے اس کے کہ طارق بن زیاد کو بھیجتا اور طارق ابن زیاد کے لئے کوئی چارہ نہیں تھا۔ بجز اس کے کہ اپنی کشتیاں جلا دے اور اس سرزمین میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے لئے اپنے تن من و دھن کی بازی لگا دے۔

اب اسلامی معاشرہ حضور کی بدولت قائم ہوا اس کی چند خصوصیات بیان کر کے میں آئیے اجازت چاہوں گا۔ تو اس میں آپ نے دیکھا کہ اس معاشرہ کا نظم و نسق کسی جبر کی بدولت نہیں تھا کوئی پولیس اسٹیٹ نہیں تھی اس میں کوئی ظلم نہیں تھا کوئی ناجائز ٹیکس نہیں تھے کسی قسم کی کوئی جاگیر داری نہیں تھی عام طور پر ریاست اور وقار ریاست جو قائم ہوتا ہے وہ افواج کی مدد سے ہوتا ہے جبر سے ہوتا ہے قہر سے ہوتا اور جبری ٹیکسوں سے، استحصال سے حکومت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں یہ دنیا کے مہمورے میں سب سے پہلے ایک حکومت ایسی وجود میں آئی جو اپنے نظم و ضبط کے لئے کسی خارجی اثر کی، کسی جبر کی، کسی استبداد کی، کسی جاگیر داری کی اور کسی استحصال کی محتاج نہ تھی۔ بلکہ اس میں نظم و ضبط جو معاشرہ میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ دلوں کے تقویٰ سے پیدا ہوتا تھا، جو اس قانون کے ساتھ دل کی محبت تھی اور جو اس اصول کے ساتھ اور اس تعلیم کے دل کی موانست تھی اس کے تحت اللہ کا جو خوف پیدا ہوتا تھا دلوں میں تو اس سے، اس تقویٰ سے اسی حکومت میں نظم و نسق پیدا ہوتا تھا یعنی حکومت کے نظام میں دیکھئے کتنی انقلابی تبدیلی ہے کہ کوئی جبر نہیں ہے کوئی استحصال نہیں ہے۔ کوئی بڑا نہیں ہے۔ کوئی زیادتی نہیں ہے۔ کوئی کسی قسم کی معاشرتی ناہمواری نہیں، کوئی جاگیر داری نہیں ہے، کسی کو پکڑ کر غلام بنانا نہیں ہے۔ کوئی استبداد نہیں ہے۔ ہر ایک کے دل سے امن و سلامتی کے سونے پھوٹتے ہیں اس حکومت کی استواری کے اور اس کی آبیاری کے، اور بنیاد اس کی ہوتی ہے تقویٰ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غنیل دنیا میں ہر چیز کی قدریں بدل گئیں پہلے جنگ ہوتی تھی خون بہانے کے لئے کسی کو پامال کرنے کے لئے دشمن کی سر زمین پر قبضہ کرنے کے لئے زمین کی بھوک کو جبراً لادنی کہانے کے لئے ایک قسم کی فوقیت قائم کرنے کے لئے انسانوں کے ایک طبقے کو باقی پر غالب کرنے کے لئے جنگیں تھیں اور اسلام میں خون ریزی ہوئی جہاد ہوا تو اس لئے ہوا کہ اللہ کے دین کو اور انسانوں کے حقوق کو تحفظ بہم پہنچانے کے لئے اور انسانیت کی اعلیٰ قدسوں کی بقا کے لئے واقعہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ میدان جنگ میں ایک دشمن کو بچھاڑ دیا اس کے سینے پر چڑھ گئے عین حالت قتال میں چاہا کہ اس کا سر قدم کر دیں اس بد بخت نے ان کے روئے اقدس پر تھوک دیا۔ جہاں اس نے ان کے روئے اقدس پر تھوکا آپ اگ بٹ کر کھڑے ہو گئے۔ حیران رہ گیا پریشان، کہنے لگا، کیا بات ہے آپ نے لڑائی میں مجھے زیر کیا آپ میرا سر اتار رہے تھے جب میں نے آپ کے منہ پر تھوک دیا آپ اگ بٹ کر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا پہلے میں تجھے قتل کر رہا تھا۔ اپنے اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں، جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے ذاتی غصہ کا عنصر اس میں شامل ہو گیا۔ اب تیرا خون مجھ پر حرام ہو گیا۔ قتال کی لڑائی کی، خون ریزی کی اللہ جل شانہ نے قدریں ایسی بدل دیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کے غلبہ کے لئے، مظلوم کو ظلم سے چھڑانے کے لئے، جنگ جائز ہوئی اور جب کسی جگہ یہ ہوتی تھی تو دوسرے مذاہب کے معابد محفوظ تھے۔ ان کی عورتیں محفوظ تھیں ان کے بوڑھے محفوظ تھے۔ ان کی کھیتی باڑیاں محفوظ تھیں ان کے درخت محفوظ تھے کسی کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں تھی۔ اور جب امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں فتوحات کر رہے تھے اور فتوحات کرتے کرتے ایسا مقام پر پہنچ گئے کہ جنگی حکمت عملی کی وجہ سے لازم آیا کہ کچھ دیر کے لئے کچھ پیچھے ہٹا جائے اور جزیرہ اس علاقے سے وصول کر چکے ہوئے تھے۔ تو پیچھے ہٹنے سے پہلے لوگوں کو بلایا اور بلا کر ان سے یہ کہا کہ تم نے ہمیں جتنا جزیرہ دیا تھا۔ وہ سب کا سب ہم سے واپس وصول کر لو اس لئے کہ ہم تمہاری حفاظت کے اہل نہیں رہے۔ یہ کسی نے کہاں دیکھا تھا۔ یہاں تو ٹیکس زبردستی لوگ وصول کیا کرتے تھے عوام کے مال پہ جان پہ عزت پہ، ناموس پہ، حملے تھے حکمرانوں کے سامنے محکوموں کی حیثیت کیا تھی اب یہاں ایک عجیب قسم کے نئے حکمران سامنے آئے جنہوں نے ہلکا سا ٹیکس وصول کیا اور اب اس کو واپس کر رہے ہیں

انہوں نے پوچھا اب کیوں واپس کر رہے ہو۔ فرمایا یہ تمہاری حفاظت کا معاملہ تھا۔ اور جب ہم یہ جگہ خالی کر کے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو تمہاری حفاظت کے اہل نہیں ہیں لہذا تمہارا یہ چیز یہ ہم نہیں رکھ سکتے تمہیں واپس ہوگا۔

دوسری بات جو میں حکومت کے تعلق سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ اسلام کی حکومت کا نظام ہے حکومت کا نظام مقرر فرمایا۔

### وَأْمُرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

یعنی "اور ان کے معاملات سیاسی، ان کا نظم نسق، ان کے حکومت کے کام، تمام معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں ہمارے ہاں کے دانشور کبھی اٹھ کے چیلنج دیا کرتے ہیں کہ اسلام میں آئین کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ اسلامی نظام حکومت کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ اسلام کی ابدیت کی میرے نزدیک ایک دلیل یہ ہے ختم المرثیت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ قرآن پاک کسی نظام حکومت کے متعلق کھل کے بات نہیں کرتا۔ اصول بیان کرتا ہے کہ ان کے معاملات مشورے سے طے پاتے ہیں۔ اور اللہ کے رسول کو حکم ہے "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" اور یہ ایسے عالم میں حکم ہو رہا ہے جس میں وحی ربانی کا نزول جاری ہے۔ قدم قدم پر ہدایات آرہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود رہنمائی فرما رہے ہیں۔ ہر معاملے میں احکام نازل ہو رہے ہیں، عین اس عالم میں رسول کو حکم ہے کہ دنیاوی معاملات میں اور سیاسی معاملات میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمائیے یہ اصل اصول بتا دیا کہ باہمی مشورے سے حکومت کے کام طے پاتے ہیں اگر کسی انسان کا کلام ہوتا اگر کسی شخص کا بنایا ہوا مذہب ہوتا۔ تو وہ کہتا اس میں اس قسم کے پردہت ہونگے اس میں اس قسم کے حاکم ہوں گے۔ اس میں اس قسم کے سردار ہوں گے۔ لیکن اس خالق کائنات کو یہ پتہ تھا کہ وہ زمانہ آنے گا۔ کہ انسان خلاؤں کا سفر کرے گا۔ ایک زمانہ ایسا بھی آنے گا۔ کہ انسان شاید کوئی روبٹ قسم کی مخلوق پیدا کرے گا۔ ممکن ہے کمپیوٹرز کے ذریعے اپنے پر کوئی نظام حکومت قائم کر لیں تو اللہ کا کلام ابدی نہ ہوتا اگر وہ کہتا تمہارا حکومتی نظام یوں ہوگا۔ اصول بیان کر دیا اور موقعہ دے دیا جتنی تمہاری طاقت ہے جتنی تمہاری فکر وسعت اختیار کرے جتنا تمہارا عقل، شعور آگے بڑھے جس قسم کے زمانے کو تم پاؤ اس کے مطابق نظام قائم کر لو۔

## تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا

یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے باہر مت جانا۔ ان کے اندر ہی رہنا "یا معشر الجن والإنس  
 إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا فِي أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ"  
 "اے انسانوں اور جنوں کے گروہ کیا تمہاری دسترس میں ہے کہ زمین اور آسمان کی حدود سے  
 نکل جاؤ اگر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ تم نہیں نکل سکتے بغیر دلیل کے"

اب وہ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تمہارے ہاں ہمت ہے اور وہ دلیل میسر ہو تو زمین و آسمان  
 کی پہنائی بھی تمہارے لئے تنگ ہو گئی ہیں ان میں سے باہر نکل سکتے ہو، کہاں کی کہاں طنائیں ڈال  
 سکتے ہو یہ "سلطان" علم ہو سکتا ہے یہ "سلطان" سائنس ہو سکتی ہے دلیل ہو سکتی ہے۔ تو  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے، میرے عزیزو کہ قرآن  
 پاک نے وہ قوانین عطا کئے وہ طریقے بتائے وہ اصول بتائے انسانیت کے اور معاشرے کے جن  
 کو ابدیت حاصل ہے جن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور جن چیزوں میں تبدیلی کا امکان تھا جو چیزیں  
 عقل انسانی کو جو لا نگاہ میں تھی اگر بڑھنے کی مختلف چیزوں میں تبدیلی کا امکان تھا جن چیزوں میں  
 عقل انسان میں سکت تھی آگے بڑھنے کی اپنے لئے مختلف طریقے اختیار کرنے کی، ان سب میں آزاد  
 چھوڑ دیا کہ ان اصولوں میں رہو اور بڑھتے چلو جتنی تمہاری فکر ترقی کرے اتنے آگے بڑھتے چلو۔

تو یہ ریاست تھی جس کی بنیاد آمریت اور استحصال پر نہیں تھی بلکہ باہمی مروت اور بھائی  
 چارے پہ تھی اور ایک اور چیز آپ ملاحظہ فرمائیے یورپ کو دیکھیں اور امریکہ کو دیکھیں دنیا کی مذہب  
 و متمدن قوموں کو دیکھیں سب میں آپس دیکھیں گے اور آئے دن اختیارات میں آتا رہتا ہے۔ کہ ان  
 میں خودکشی کا تناسب بہت زیادہ ہوا جا رہا ہے۔ لاکھوں کروڑوں میں کھلتے ہیں کھاتے پیتے ہیں  
 معاً ایک آدمی اٹھ کر کے خودکشی کر لیتا ہے اس کی وجہ کیا ہے کہ انسان کو اسلام سے پہلے بھی جیب  
 میں اسلام سے پہلے کہتا ہوں تو میری مراد اسی وحی ربانی سے نہیں ہوتی کہ جس کے خاتمے کے طور پر  
 اس کے تکلمہ پر اسلام لادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے۔ خدا کا پیغام تو حضرت آدم علیہ السلام  
 کے پیغام سے شروع ہوا اور حضور پر آ کر کے مکمل ہوا جن جن جو عقل انسانی کا ارتقاء ہوتا گیا، جو  
 جن انسان کے دل میں وسوست پیدا ہوتی گئی تحمل پیدا ہوتا گیا اس پیغام کی عظمت کا اتنا ہی زیادہ

سے زیادہ اسے دیا جاتا رہا اور بالآخر ایک روز ۛ اَلْبَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَقَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي كَهْدِيَا۔

تو میں جو میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ باقی ادیان عالم میں یا باقی تہذیبوں میں حیات بعد از موت کا تصور نہیں تھا یا تھا تو بالکل موہوم سا اور اراج بھی یورپ کی تمام مادی ترقی کے باوجود زندگی میں جو مایوسیت پیدا ہوتی ہے اس کی اصل وجہ ہے اس یقین کا اسی ایمان کا فقدان جو حیات بعد الہامات سے متعلق ہے یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُنیا کو مزرعہ الآخرہ فرما کر دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنا دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی میں انسان کو ایک ایسی راہ عطا کر دی جو اصلاح کی راہ تھی جو فلاح کی راہ تھی۔ جو سعادت کی راہ تھی اگر وہ فلاح کی راہ سے سعادت کی راہ سے خیر و برکت کی راہ سے اگر ہٹ جائے گا تو آخرت میں اس کے لئے بجز مایوسی اور نا اُمیدی کے کچھ نہیں اور آخرت کی زندگی پر جس کو ایمان ہے وہ انسان آگ میں پھانسی لگا دیتا ہے۔ عقیدت کی طاقت انسانی سے سب کام کروالیتی ہے۔ اور ایک غریب سے غریب مسلمان ایک غریب سے غریب آدمی جس کو رات کی روٹی میسر نہیں ہوتی جس کے بچے اس کے سامنے بھوک سے بکھتے ہیں۔ وہ بھی نہایت المینان کے ساتھ دل کے ایک گوشے میں ان تمام کرب کے باوجود اس تمام تکلیف کے باوجود اپنے دل کا ایک گوشہ ایک ایسا پاتا ہے جس میں اسے پوری اور مکمل طمانیت ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دنیا چٹن کی ہے یہاں اگر کچھ تکلیف ہوگی تو آخرت میں اس کا انعام اچھا ہے اس کا دل کسی خودکشی پہ نہید چلتا ہے اور نہ اس کو اپنی زندگی میں کوئی تاریکی نظر آتی ہے۔ نہ وہ زندگی کے سفر میں چلتے چلتے کسی ایسی دیوار کے پاس جا پہنچتا ہے کہ جہاں جا کر سر جھوٹنا ہی پڑے اور راستہ نہ ہو۔ اسے تو ہر جگہ اس کے لئے راستہ کھلتے رہتے ہیں۔ تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی معاشرے میں سے سفادت اور خود غرضی کو مٹا کر کے مردت اور ایثار کے جذبات پیدا کر کے معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ اور دنیا میں جنت کا ایک نمونہ بنانے کے لئے ایک دین قائم کیا ایک اور چیز جس سے ہم نے بہت مدد لی ہے موٹلی میں اور ہمیں دیکھتے ہوئے افسوس بھی ہوتا ہے کہ ایک ایسا دین جو دین فطرت تھا جو اولیام کے خاتمے کے لئے آیا تھا۔ جس نے سب سے پہلے تو ہم پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ جس نے عقل کو بڑھایا جس نے تفکر کی دعوت دی جس نے قدم قدم پر تدبیر کے لئے کہا آج اس دین کے ماننے والے



اسی فرس پر سے ہاتھوں سے کام کرنے والے، قوم کا درد رکھنے والے، اور قوم کے خادم اٹھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود، ابن عمر اور ابن عباس ایسے عالم اور ابو ہریرہ اس میں سے اٹھتے ہیں اس میں سے حضرت علی، مولانا علی، علم کے دریا اور سمندر اٹھتے ہیں اور اس میں سے کیا کیا نتیجہ پیدا نہیں ہوتا ایک تعلیم ہے ایک درس ہے، ایک زبان ہے ایک ممبر ہے اور ایک مدرسہ ہے۔ ہر طبیعت اپنی خاصیت کے مطابق خاصہ پارہی ہے ہر طبیعت پر نور نبوت پڑ رہا ہے وہ اس سے بہتر ہو رہی ہے اپنی اپنی طبیعت کے خاصے کے مطابق مقام پارہی ہے۔ مقام عظمیٰ پارہی ہے۔ مقام اعلیٰ پارہی ہے۔ تو اے علماء کرام کہ تمہیں کہا گیا کہ تم انبیائے بنی اسرائیل کی مانند ہو، انبیاء کی مسند کے وارث ہو، اللہ کے رسول آپ کے لئے سب کچھ چھوڑ گئے آپ نے اس قوم کو اچھا کرنا ہے آپ نے اس دنیا میں اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اللہ کے رسول کا ممبر بھی آپ کے پاس اللہ کے رسول کی مسجد بھی آپ کے پاس اور اللہ کے رسول کے ماننے والے دنیا میں بھٹکتے پھرتے ذلیل ہوں، زخوار ہوں تو ہم پرستی میں مبتلا ہوں، دنیا کے دھنکارے ہوئے ہوں۔ وہ جو دنیا کو سبق دیتے رہے، وہ جو دنیا کو تہذیب سکھاتے رہے ان لوگوں کا آج یہ عالم ہونا اجرت ہوتی ہے! اس جذبے کو سامنے رکھنے جس کے تحت میں یہ بات کر رہا ہوں۔ علماء کرام کی محفل میں بیٹھ کر ان سے بڑے ادب کے ساتھ، بگلے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ حضور آپ کے مدارس میں سے پورے پورے درس مکمل کر کے جو لوگ اٹھتے ہیں وہ لوگ آج کیوں اس قابل نہیں ہیں کہ حکومت کی عنائیں سنبھال سکیں۔ وہ کیوں علوم متداولہ شجر ممنوعہ سمجھ کر الگ بیٹھے ہوئے ہیں۔

اے آپ ہی کے متقدین تھے جو طب بھی پڑھتے تھے، نحو بھی پڑھتے تھے۔ فلکیات کے بھی ماہر تھے اس دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم بھی پڑھتے تھے پوری دنیا کے علوم کو عربی میں منتقل کر دیا تھا آج آپ کے لئے دنیاوی علوم کیوں شجر ممنوعہ بن گئے۔ آپ انگریزی نہیں پڑھتے نہ پڑھیے۔ آج تو دنیا بھر کی کتابیں اور علوم عربی میں منتقل ہوئے پڑے ہیں۔ بیروت کی، مصر کی، شام اور عراق کی یونیورسٹیوں وغیرہ میں بہت کام ہو چکا ہے۔ آپ کے مدارس میں سے کیوں نہ ایسے لوگ نکلیں پانچ چار سال بعد کہ جن میں وہی خوبی ہو جو ایک مسلمان میں ہونی چاہیے جن کو وقت پڑنے پر پکارا جائے۔ تو وہ میدان میں حاضر ہو جائے۔ جس کو حکومت کی کرسی پیش کی جائے تو اس کو

سنبھال لے اللہ کے رسول اور اس کے ساتھیوں نے دنیا کو عزم اور محنت کا سبق پڑھایا تھا کہ انسان اپنے حسنِ عمل سے اپنی کارکردگی کی لگن سے مقام پر پہنچ سکتا ہے عقیدے کی بدولت دنیا بھر سے ٹکرا سکتا ہے وہ بات آج پھر کہیں نہ دنیا میں ظاہر کی جائے۔ مسلمان کو اس کے عقیدے کی وہی دولت کیوں نہ کوٹائی جائے اور یہ سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمارے مدارس پر اللہ ان کو اس قابل بنائے۔ یقین فرمائیے زمانہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ ایک پاکستان کے اندر ایک تحریک شروع ہو چکی ہے۔ جو ایک منطقی ردِ عمل ہے۔ اس تحریک کا جو اس ملک میں بیدینی کی اس سے پہلے چل چکی ہے۔ اب اسلام کی طرف ایک بار پھر توجہ ہو رہی ہے اور اسلام کو اپنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ پاکستانی قوم کے دل کے اندر کا چھپا ہوا جذبہ ہے جو اپنے اظہار کے لئے بیتاب ہے اسے رہنمائی کی ضرورت ہے اور یقین کیجئے اگر علماء کرام اور ہماری مساجد اور ہمارے مدارس اس امتحان میں ناکام ہو گئے اور وہ ہمیں مثالی قیادت نہ دیا کر سکے تو پھر شاید دنیا سینکڑوں برسوں تک اسلام کا نام نہ لے سکے گی۔

میں معافی چاہتا ہوں کہ اپنے جذبات کی رو میں بہ گیا اور بہت سا وقت آپ کا لے لیا تو آخر میں اپنی طرف سے اور سیرت کے منتظمین کی طرف سے ان تمام علماء کرام اور ان تمام مشائخِ حضراتِ شکرہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے مقالات سے ہمیں نوازا اور ان تمام اصحاب کا بھی شکریہ عرض کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس کانفرنس میں کسی حیثیت سے بھی حصہ لیا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# سیرت نبویؐ میں عصر حاضر کے لئے پیغام

(جسٹس دریا تروڈ) جمیل حسین رضوی - لاہور

اس مقالے کا مجوزہ عنوان ہے "سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عصر حاضر کے لئے پیغام" میری معتبر رائے میں یہ عنوان غلط فہمی پر مبنی ہے۔ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پیغام ہمیں دیا ہے، وہ صرف عصر حاضر کے لئے مخصوص نہیں بلکہ وہ ابتدا سے ابتدا تک کے لئے ہے۔ عصر حاضر کے لئے بھی وہی پیغام ہے جو ابتدائے اسلام میں دُنیا کو دیا گیا اور یہ پیغام تا ابد ہر زمانے کے لئے وہی رہے گا۔ اس کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ بلکہ میں اس سے بھی آگے جانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ رسول اکرمؐ نے اپنی طرف سے کوئی پیغام دیا ہی نہیں۔ انہوں نے دُنیا کو جو بھی پیغام دیا وہ وہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر نازل فرمایا اور جس کے پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اُن کو دیا۔ یہ آیات قرآن مجید اس کا ناقابل تردید ثبوت ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ -

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ -

رسول پاکؐ نے جو پیغام اس دُنیا تک پہنچایا وہ دینِ اسلام تھا جو آج بھی اتنا ہی تروتازہ اور اہم ہے جتنا اُس وقت تھا جب اس کی نشر و اشاعت کا آغاز ہوا۔ یہ ایک ایسا پیغام ہے جو کہ ہم سب کی زندگیوں کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے راستوں اور طریقوں کی نشاندہی کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کہ ہم نہ صرف اس مادی اور فانی دُنیا میں ایک متوازن اور پُر اعتماد زندگی گزار سکتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی سرخرو رہ سکتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام ان اصولوں کا جامع مجموعہ ہے جو موجودہ اور آخرت کی زندگیوں کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ ان اصولوں اور قاعدوں سے انسان کی زندگی کا دائرہ کار اور اُس کی خود مختاری سلب نہیں ہوتی۔ بلکہ اسلام کے اصول انسان کی آزادی

اور محدود مختاری کی اس انداز سے وضاحت اور حد بندی کرتے ہیں کہ اُن کی مقصدیت اور گہرائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ زندگی کا مقصد صرف ”کھاؤ پیو اور عیش کرو“ تک محدود نہیں رہتا بلکہ زندگی کے مادی اور روحانی پہلوؤں میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلا سبق یہ دیا گیا ہے کہ اس تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ تمام دنیا کا خالق ہونے کی بنا پر محض مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ تمام انسانوں کا خدا ہے۔ اور دین اسلام تمام بنی نوع انسانوں کو دعوتِ عمل دیتا ہے۔ یہ دین بنی نوع انسان کو اپنے دنیاوی فرائض کو نیک نیتی اور ایمانداری سے بجالانے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور بنی نوع انسان سے حسن سلوک اور محبت کر لے کی تلقین کرتا ہے۔ اگر محض ان دونوں ہدایات پر تمام بنی نوع انسان یا کم از کم مسلمانانِ عالم ستمتی سے عمل پیرا ہو جائیں تو یہ دنیا بھی جنت بن جائے گی! اسلام نے نہایت آسان فرائض عاید کر کے اور بنی نوع انسان کی برابری کا سبق دے کر وہ مقبولیت حاصل کی ہے۔ جو کسی پہلے مذہب کو حاصل نہ ہو سکی۔ جو نہی ایک انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ سادہ مگر پاکیزہ لباس زیب تن کرتا ہے۔ پاک و صاف رہتا ہے۔ اس میں خود اعتمادی اور ذاتی وقار کی لگن پیدا کرتا ہے۔ مہمانوں کی خدمت کرنا اُس کا جزو ایمان بن جاتا ہے اور وہ اعزاء و اقارب اور بنی نوع انسان کے ساتھ ایک عادلانہ زندگی بسر کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

اسلام مساوات اور باہمی اخوت کا سبق دیتا ہے۔ ذات پات، رنگ و نسل، امارت و غربت کی تیز کور کرتے ہوئے رسول پاک نے ایک ایسے معاشرہ کی داغ بیل ڈالی جس کی بنیاد اسلام کے لازوال اصولوں پر تھی۔ اس برادرانہ معاشرہ نے تمام افراد کو مساوی حقوق اور فرائض دیئے علامہ اقبال نے فرمایا ہے

ایک ہی صفت میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی سبندہ نواز!

فی زمانہ ہمارا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگوں کے گفتار اور کردار میں تضاد بہت بڑھ گیا ہے۔ دوسروں کو نصیحت کرنے والے یا اصولوں کا پرچار کر کے والے کافی ہیں لیکن جب ذاتی مفادات کی بات آتی ہے تو پسند و نصح کرنے والوں میں سے بیشتر

لوگ اصولوں کو بلائے طاق رکھ کر مادی اور وقتی فائدوں اور مفادات کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔ ذاتی چپقلشیں، اقرباء پروری اور اختیارات کا غلط اور غیر منصفانہ استعمال ایک معمول سا بتا جا رہا ہے۔ ان رجحانات کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں نفسا نفسی کا عالم بڑھ رہا ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم رسول پاک کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں۔ رسول مقبول کی زندگی میں ایک بات جو بڑی واضح طور پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے گفتار اور کردار میں مکمل مطابقت تھی۔ آپ نے کبھی لوگوں کو ایسی بات کی تلقین نہیں کی۔ جس پر خود عمل نہ کیا ہو۔ آپ نے نہ صرف خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا بلکہ خود ان تمام اصولوں پر عمل کیا۔ اس طرح آپ نے اصولوں کا عملی نمونہ پیش کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کے گفتار اور کردار میں کبھی تضاد پیدا نہ ہوا۔ عالم یہ تھا کہ آپ کے دشمن بھی آپ کی ایمانداری، صداقت اور اعلیٰ کردار کے قائل تھے۔ آج ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ صرف دوسروں کو نصیحت کرنے سے ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ جب دوسرے لوگ با اصول اور ایماندارانہ زندگی گزارنا شروع کر دیں گے تو ہم خود بھی با اصول زندگی گزارنا شروع کر دیں گے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ہر شخص پہلے اپنی زندگی کو اسلام کے اصولوں پر ڈھالے اور پھر دوسرے لوگوں کو دعوتِ عمل دے، اگر با اصول زندگی گزارنے کے لئے مشکلات آئیں تو انہیں خندہ پیشانی سے جھیلنا چاہیے۔

اس ضمن میں ہمیں نواسہ رسول حضرت ام حسینؓ کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیے آپ نے با اصول زندگی حق اور راستی پر قائم رہنے کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ فتح اور کامیابی کو مادی زندگی کے مروجہ میدانوں سے نہ ناپو کیونکہ یہ عارضی ہے۔ آخری فتح انہی کی ہوتی ہے جو حق کے لئے سینہ سپر ہوتے ہیں۔ آیتے ہم بھی اپنے شب و روز کے لئے درس کہ بلا کو معیار بنائیں اور یہ دیکھیں کہ ہم دینی شعائر پر قول کی حد نہیں بلکہ عملاً کہاں تک پورے اترتے ہیں۔

رسول پاک کی سیرت سے ایک سبق یہ ملتا ہے کہ ہمیں سادہ اور تصنع سے پاک زندگی گزارنی چاہیے۔ آپ نے نہایت سادہ زندگی بسر کی۔ کبھی کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملا کہ رسول پاک آرام و آسائش کی زندگی گزار رہے تھے اور عام مسلمانوں کو زندگی کی بنیادی سہولتیں جتیا نہ تھیں۔ آپ نے وہ کھایا جو ایک عام مسلمان کھاتا تھا۔ آپ نے وہ کپڑا پہنا جو ایک عام مسلمان کو دستیاب تھا۔

آپ کی جائے رہائش سادگی کا نمونہ تھی اور بالکل ایسی تھی جیسی اُس زمانہ میں دیگر مسلمانوں کی رہائش گاہیں تھیں ہم نے آج اس سبق کو بھلا کر نقصان اور نمود و نمائش کو اپنی زندگی اور عادات کا خاصہ بنا لیا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے ذاتی اور قومی ذرائعوں ہو رہا ہے۔ اس طرح ہم بہت سے ایسے پروگراموں کی طرف مکمل توجہ نہیں دے پاتے جو قومی ترقی کے لئے بہت ضروری ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب سادگی کو زندگی کا شعار بنائیں۔ یہی اسلام کا پیغام ہے اور یہی سیرت رسول پاک کا اہم خاصہ ہے۔ سادہ زندگی کے علاوہ ایک اور پیغام جو کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ملتا ہے وہ معاشرتی اور معاشی انصاف ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ دیگر مسلمان بھائیوں بلکہ بنی نوع انسان کے ساتھ زندگی کے کسی پہلو میں نااتفافی نہ کریں۔ اس کے علاوہ یہ بدایت بھی فرمائی کہ کبھی کسی انسان کو حقیر تصور نہ کرو کیونکہ خدا کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ فضیلت صرف اُس شخص کو حاصل ہے جو اسلام کے بنائے ہوئے اصولوں پر خلوص دل سے عمل کرتا ہے اور جس کا کردار افضل ہے۔ مسلمانوں کو یہاں تک تلقین ہے کہ تم اُس وقت تک کھانا نہ کھاؤ جب تک تم یہ نہ دیکھ لو کہ تمہارا کوئی ہمسایہ مہجور کا تو نہیں ہے۔ ہماری فلاح اس میں ہے کہ اسلام کے اصولوں اور رسول پاک کی سیرت کی روشنی میں ہم معاشرہ میں موجود معاشرتی اور معاشی تضادات کو کم کریں اور معاشرتی اور معاشی انصاف ٹہٹیا کریں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک ایسا ماحول پیدا نہ کیا جائے جس میں ایک عام شہری کی بنیادی ضروریات کی ضمانت ٹہٹیانہ کی جاسکے۔ ہم اپنے معاشرہ کو اسلامی خطوط پر پروان نہیں چڑھا سکیں گے۔

المختصر رسول پاک کی سیرت روشنی کا ایسا مینار ہے جو کہ ہماری راہوں کو اُس وقت تک منور رکھ سکتا ہے جب تک دنیا قائم ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس روشنی سے مستفید ہوں اور اُن راہوں پر چلیں جن کی نشاندہی حضرت رسول مقبول نے اپنی زندگی میں کی۔ اگر ہم اپنی انفرادی اور قومی زندگیوں کو حیاتِ طیبہ کے مثالی نمونہ کو سامنے رکھ کر مرتب کریں اور اسلام کے اصولوں پر صدق دل سے عمل کریں تو ان مسائل کا حل ممکن ہو سکے گا جو آج ہماری قوم کو درپیش ہیں۔

# سیرت مصطفیٰ ﷺ میں عصر حاضر کے لئے پیغام

## ”قول و فعل میں مطابقت کی ضرورت اور اہمیت“

(حافظ احمد یار ریٹائرڈ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًّا وَّ مُسْتَعِیْدًا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا

مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصفا)

منار رشد و ہدایت سحاب رحمت وجود

۵

رتائب

مرے رسولؐ کا اسوہ، مرے نبیؐ کا وجود

بادی النظر میں اس کا نفرنس کا مرکزی موضوع ”سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں عصر حاضر کے لئے پیغام“ اس لحاظ سے کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا آخری اور مکمل پیغام پہنچا چکے۔ ۲۳ برس آپؐ نے اپنے قول و فعل سے اللہ کے پیغام کی اس طرح تبلیغ فرمائی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ”الاہل بلغث؟ کہہ کر لاکھوں کے مجمع سے اس حقیقت پر اور اپنی صداقت پر گواہی لے لی۔ اور پھر ”فلیبلغ الشاہد العائب“ فرما کر قیامت تک کے لئے اللہ کے پیغام کو آگے پہنچانے اور پھیلانے کے لئے تمام مسلمانوں کو خود اپنا پیغامبر مقرر فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ذریعے بھیجے ہوئے اس پیغام کو لفظاً و معنیاً قرآن کریم اور صاحب خلق قرآن کی سیرت۔ یعنی کتاب و سنت کی صورت میں محفوظ رکھنے کا وعدہ اپنے ذمہ لیا۔ اور چودہ سو برس اس وعدہ کی صداقت پر شاہد عدلی ہیں۔ کتاب و سنت سے ملنے والا یہ پیغام اور یہ ہدایت، تمام انسانوں اور سب زمانوں کے لئے ہے۔ پھر عصر حاضر کے لئے اب کوئی نیا پیغام دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہر زمانے اور ہر نسل کے کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جو بعض دوسرے

مسائل سے زیادہ نمایاں اور زیادہ توجہ طلب ہوتے ہیں یا کچھ خرابیاں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں باقی سب خرابیوں کا سبب بھی کہا جاسکتا ہے اور بعض دفعہ ان کا مجموعی نتیجہ بھی اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عصر حاضر کے مسائل میں۔ انفرادی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ہر جگہ "امن و سکون کا فقدان" پہلے نمبر پر آتا ہے۔ اس عالمی اضطراب و بے چینی کے اسباب بھی متعدد ہیں اور مظاہر بھی۔ آج کے انسان کو انفرادی سطح پر حسب جاہ و مال سے اجتناب اور زہد و سادگی اختیار کرنے کی تلقین یا اجتماعی سطح پر توسیع پسندی اور استعماری عزائم کی بجائے امن اور سلامتی کی تدابیر بتانے کی ضرورت ہے۔ آج انسان دوستی، صلح پسندی، رواداری، اتحاد و یگانگ، عدل و مساوات، احترام حریت، فروغ علم و حکمت اور خدمتِ خلق وغیرہ موضوعات پر بات کرنا وقت کی پکار ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک مسئلہ پر سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح پیغام اور کافی و مکمل رہنمائی موجود ہے۔ مگر کیا ہم ہر ملک و ملت کے مختلف قد و قامت کے لیڈروں اور اس وقت کی عالمی سیٹج کے تمام مدعیان "انما نحن مصلحون" سے ان ہی مذکورہ مسائل و موضوعات پر وصول و ہار بیانات، داد طلب اعلانات اور مسحور کن مگر کھوکھلے پیغامات شب و روز نہیں سنتے رہتے؟ اور اس کے باوجود انسانیت اور شرافت ہے کہ ایک جان بلب مریض کی طرح اپنے نوسر باز معالجوں کی لفظی باز گیریوں سے لمحہ بہ لمحہ مایوسیوں میں گری جا رہی ہے۔ اگر آج کے زعمانے سیاست اپنے بین الاقوامی معاہدوں، اپنے تلاشِ امن و آشتی کے دعووں، اور دین و مذہب کو خیر چھوڑیئے۔ صرف بوساین۔ او کے چارٹر میں اپنے دستخطوں سے دشنے گئے وعدوں کی پابندی ہی، اسی روح اور جذبہ سے کرتے جس کی مثال رحمۃ اللعالمین اور رؤف الرحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحناہ حدیبیہ کے ضمن میں قائم فرمادی تھی۔ تو آج انسانیت اطمینان کا سانس لے رہی ہوتی۔ عصر حاضر کے عالمی اضطراب کی وجہ تشخیص اور علاج سے نادانی نہیں۔ بلکہ اس کا اصل سبب ان "مستبصرین" کی نیتوں کا فتور اور دلوں کا کھوٹ ہے۔ یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں ہوگا کہ عصر حاضر کا سب سے بڑا روگ اور سب سے بڑا مسئلہ دراصل "قول و فعل کی ثنویت اور گفتار و کردار کی دورنگی ہے۔ جس میں اسی دور کے عوام اور خواص سب ہی مبتلا ہیں۔

لاہوری برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کی تعلیمات



کی روشنی میں اس موضوع پر گفتگو کرنا میرے نزدیک وقت کی نہایت اہم بات، مضطرب اور بے چین انسانیت کے لئے پیغامِ نجات اور خود مسلمانوں کے لئے درسِ حیات ہے۔ قول و فعل میں مطابقت کی تاکید اور اس کے برعکس گفتار و کردار کی دورنگی یا منافقت سے تہذیب پر، قرآن و سنت کی تعلیمات پر پیش کرنا، میرے نزدیک کٹی وجہ سے اہم ہے۔

۱۔ اولاً تو اسی لئے کہ قول و فعل کی دورنگی یا

عصر حاضر میں ایک وبال

کی صورت اختیار کر گئی ہے بلکہ بد قسمتی سے اسے عیب کی بجائے ہنر، معیار و انشوری اور گویا "فلاح کی راہ" سمجھا جانے لگا ہے۔ گاؤں اور محلوں کے چوہدریوں سے لے کر ملکوں کے حکمرانوں تک اور علاقائی رہنماؤں سے لے کر یو این او کے اجارہ داروں تک ہر جگہ یہی برائی ہر طرح کے "وڈیروں" کی امتیازی صفت بن گئی ہے۔ اور یہی خرابی باقی تمام خرابیوں اور مسائل کے جنم کا سبب یا پھر ان کی بقاء کا موجب بنی ہوئی ہے۔

۲۔ ثانیاً ایک وجہ میرے اس موضوع کو اختیار کرنے کی یہ بھی ہے کہ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کا جو درخشاں پہلو سب سے پہلے دنیائے دیکھا وہ یہی قول و فعل کی مطابقت ہی تو تھا۔

محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطنوں نے آپ کو الصادق اور الامین کا لقب کیوں دیا تھا؛ صدق اور امانت کا دار و مدار اور بلند معیار قول و فعل میں ادنیٰ تفاوت کے نہ ہونے پر ہی تو ہے۔

۳۔ ثالثاً۔ آنحضرتؐ نے سب سے زیادہ دکھ اور پریشانی جماعت منافقین کے ہاتھوں ہی

سہی۔ ایذا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کبیرہ گناہ ہے اور اس کا نفاق کے ساتھ گہرا تعلق

ہے تو پھر سوچنے کی بات ہے کہ کہیں ہم اپنے قول و فعل کے اس تضاد سے ایذا رسولؐ

کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

۴۔ رابعاً۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایسی جماعت تیار فرمائی جس کے ظاہر و

باطن کی یکسانیت اور قول و فعل کی مطابقت ہی تو اسلام کے غلبہ اور اس کی اتنی حیرت انگیز برکت

کے ساتھ اشاعت کا سبب بنی کہ ادیانِ عالم کی تاریخ نہیں۔ کہیں اس کی مثال ڈھونڈے

سے بھی نہیں ملتی۔

شاید یہ کہا جائے کہ قول و فعل کی مطابقت کوئی ایسی بات نہیں ہے جو صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مختص ہو۔ یہ بات تو کم و بیش تمام مذاہب اور جملہ ادیان کے مسلمات میں سے ہے اور سب ہی ہادی اور پیشوا اپنی تعلیم دیتے رہے۔ ہاں یقیناً تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات میں یہ بات بھی شامل تھی۔ صرف تعلیمات میں ہی نہیں بلکہ بالفعل ان کے اقوال و اعمال میں کہیں بھی اختلاف یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء معصوم تھے۔ انبیاء کے ضمن میں عصمت کا مفہوم اگرچہ وسیع ہے اور تمام احکام و قضایا بھی اس میں شامل ہیں۔ تاہم قول و فعل کی مطابقت بھی تو عصمت یا معصومیت کا ہی ایک پہلو ہے جب چھوٹا بچہ بھولے پن سے یہ کہتا ہے کہ ”ابو کہہ رہے ہیں کہ وہ گھر میں نہیں ہیں“ تو یہ اسی معصومیت کا ایک مظہر ہوتا ہے، جو ہر انسان کی فطری میراث ہے اور جسے وہ بہت سی دوسری فطری خوبیوں کی طرح اس شعور میں کھوی بیٹھتا ہے۔

اور یہ کوئی ضروری بھی تو نہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پیغام کوئی نا انکشاف ہی ہو۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”نحن معشر الانبیاء دیننا واحد“ فرما کر جملہ ہادیانہ عالم کے اصل منبع ہدایت کی وحدت کی خبر بھی دے دی۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر بحث معاملے میں بھی یہ فضیلت ضرور حاصل ہے کہ آپ نے قول و فعل کے تضاد کی مختلف صورتوں مختلف شعبہ ہائے حیات مثلاً تجارت، صنعت، حکمت، معاشرت اور عبادت وغیرہ سے اس کے تعلق اور اس ضمن میں پیش آنے والے بعض نفسیاتی منالطوں تک کی مکمل وضاحت فرمادی ہے۔ آئیے اب اس موضوع سے متعلق کتاب و سنت کی تعلیمات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:-

۱۔ قرآن کریم کے شروع ہی میں سورۃ البقرہ میں انسانوں کے تین گروہوں کا ذکر ہے۔ مومن مخلص، کافر جاحد اور منافق مطلق۔ قلبی نفاق تو قول و فعل کی دانستہ اختیار کردہ، شعوری اور ارادی، دو رنگی ہے اور یہ قول و فعل کے تضاد بلکہ زبان اور دل کی عدم رفاقت کی بدترین صورت ہے۔ نفاق، کفر اور اسلام کے درمیان ایک ایسی ریاست ہے۔ جہاں سے اسلام میں کفر سمگل ہونے کا کام جاری رہتا ہے۔ اسی لئے نفاق کی اس قسم یعنی نفاق قلبی کے اسباب و علامات اور اس کے علاج یا ہولناک انجام (فی المددک الاسفل من النار)

کے متعلق قرآن حکیم میں بالتفصیل بات ہوئی ہے۔ کتاب و سنت کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قول و فعل کا تضاد اگر سوچی سمجھی دوزنگی کی بجائے صرف ضعف ایمان یا قوت ارادی کی کمزوری کے باعث ہو تو بھی اسے نفاق ہی کہا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا حاصل اور معیار یعنی صفتِ تقویٰ ہے اور یہ اسی انسانی کمزوری یعنی نفاقِ عملی اور قول و فعل کے تضاد کو کلیتہً مٹانے (اتقوا اللہ حق تقاتہ) کے مطابق یا اسے زیادہ سے زیادہ کم کرنے اور (فاتقوا اللہ ما استطعتم) کے مطابق گھٹانے کا نام ہے۔

۲۔ قرآن کریم نے کتابِ ہدایت کے علمبرداروں اور تلاوت گزاروں میں بھی قول و فعل کا تضاد پائے جانے کو سخت بے عقلی کا کام بتایا ہے۔ "أتأمرون الناس بالبر وتنهون أنفسكم وانتم تتلون الكتاب، أفلا تعقلون"۔ اور یہ شاید اسی لئے کہ لوگ اسے دانشمندی اور ذہانت کا مظہر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے شعر و شاعری کے مذہب پر پھوٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شعراء کی آوارگی نکر اور عمل سے پہلو تہی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "والشعراء يتبعهم الغاؤون الم تر انهم في كل واد يھيمون وانهم يقولون ما لا يفعلون" علامہ اقبال نے اپنا نام لے کر دراصل شعر و شاعری کی اسی عام خرابی یعنی اس کے "کارہ بیکاراں" ہونے کا مضمون یوں باندھا تھا۔

اقبال بڑا پیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے

گفتار کا وہ غازی تو بنا کر دار کا غازی بن نہ سکا

۴۔ قرآن حکیم کی سورۃ الصف کی دو آیتوں میں تو خاص کر قول بلا فعل کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک

سب سے مبنیٰ اور قابلِ نفرت بات قرار دیا گیا ہے۔ "یا ایہا الذین امنوا لم تقولون

مالا تفعلون، کیومقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔ بعض نکتہ رس مفسرین

مثلاً زحمتی رازی اور قاسمی وغیرہ نے اس آیت میں کلمہ "مقت" کے اختیار کئے جانے

کی بنا پر رجو بنات خود اپنے اندر انتہائی نفرت اور شدید ناپسندیدگی کے وسیع معنی رکھتا

ہے، اور مزید کتب اور عند اللہ اور پھر تقولون مالا تفعلون کی تکرار کی وجہ سے

اسے قول و فعل میں تضاد کی شدید اور ہمہ جہت قدمت کا ایک فصیح و بلیغ نمونہ قرار دیا ہے۔ عمل کی نیت یا ہمت نہ ہو تو پھر محض ڈینگیں مارنا یا پُر فریب لہرے لگاتے پھرنا تو کوئی خوبی نہ ہوئی۔

۵۔ سورہ ہود میں حضرت شعیبؑ کی زبان سے ”وما ارید ان اخالفکم الی ما انھاکم عنہ“ کی عبارت میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اپنے عمل سے اپنے ہی قول کی نفی کرنا خدا کے پسندیدہ بندوں کا طریقہ ہرگز نہیں ہوتا۔

۶۔ سورۃ آل عمران کی ایک آیت میں ”یحبون ان یحمدوا بالمر یفعلوا“ کے مصداق لوگوں یعنی مفت کی شہرت کے طلبگاروں کے لئے سزا سے نجات کے راستے بند ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ (فلا تحسبنہم بمقاۃ من العذاب)۔

یہ تو تھیں وہ آیات جن میں ’قول‘ اور ’فعل‘ یا ’ان‘ کے ہم معنی الفاظ استعمال کر کے انسانی کردار کی اس پستی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ظاہر و باطن اور سر و پھر کی ہم آہنگی اور مطابقت پر جو زور دیا گیا ہے اس کا تعلق بھی اس موضوع سے ہے۔ مثلاً

(۱) وذرنا ظاہر الاثم و باطنہ۔

(۲) انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منها وما بطن۔

(۳) واللہ یعلم سرکم و جہرکم و یعلم ما تکسبون۔ (و غیر ذلک من الایات)

احادیث نمبر یہ میں بھی اسی مضمون کو مختلف پیرایہ ہائے بیان سے واضح کیا گیا ہے۔

دعوتِ فکر کے ساتھ چند احادیث پیش خدمت ہیں:-

۱۔ عن سفیان بن اُسَید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کبوت خیانة ان تحدث

اخاک حدیثا هولک بہ مصدق و انت له کاذب۔ (الماج جلد ۳ ص ۳۳ بحوالہ ابوداؤد)

۲۔ عن عبد اللہ (بن عمرؓ) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من نبی اللہ فی

امۃ قبلی الا کان له من امۃ الحواریون و اصحابک یاخذون بسنتہ و یقتدون

بأمرہ ثم انہا تخلف من بعدہم خلوفٌ یقولون ما لا یفعلون و یفعلون

ما لا یؤمرون فمن جاہدہم بیدۃ فهو مومن و من جاہدہم بلسانہ فهو

مومن ومن جاهدہم بقلبہ فهو مومن وليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل۔

(رواہ مسلم، التاج طبع ۱۳۵۵ بحوالہ مسلم)

۳۔ عن اسامة بن زيد رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

”يُجاء بالرجل يوم القيامة فيلقى في النار فتندلق أقتابه في النار

فيطحن فيها كطن الحمار برحاه فيجتمع أهل النار عليه فيقولون: أرى

فلان ما شأنك؟ كنت تأمرنا بالمعروف وتنهانا عن المنكر؟ قال كنت آمرهم

بالمعروف ولا أيتنه وانها كمر عن المنكر وایتہ (متفق عليه) (مشکوٰۃ ج ۲ حدیث

۵۱۲۹ کتاب الآداب)

۴۔ عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال۔ رأيت ليلة أُسرى بي رجالا

تفرض شفاهم بمقاريض من نار۔ قلت من هؤلاء يا جبريل؟ قال هؤلاء

خطباء امتك يا مروان الناس بالبر وتنسون انفسهم... وفي رواية قال

خطباء من امتك الذين يقولون مالا يفعلون ويقوون كتاب الله ولا يعملون

(مشکوٰۃ حدیث ۵۱۲۹)

ان کے علاوہ متعدد احادیث نبویہ میں عبادات و معاملات کے ان شعبوں اور گوشوں

کی خصوصاً نشان دہی کی گئی ہے جہاں اس انسانی کمزوری یا کردار کی اس خرابی کا عموماً مظاہرہ

ہوتا ہے۔ مثلاً بیع و تجارت (عش) مورثیت و معاہدات (نقص) اور معاشرت و محاسنت

(گروپ) وغیرہ میں۔ کتاب و سنت میں جہاں جہاں بھی ریاء، بغل، بزدلی، خیانت، جھوٹ

و زب، تلون، خوشامد پسندی اور سستی شہرت کی طلب وغیرہ رذائل کی بدمت و ممانعت

آئی ہے۔ سب کا تعلق بنیادی طور پر قول و فعل کے تضاد سے ہی ہے۔

صرف یہی نہیں قرآن و سنت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قول و فعل میں مطابقت بھی اگر

خلوص نیت پر مبنی نہیں تو وہ بھی مردود ہے۔ قرآن کریم میں مرض قلب، زینغ قلب، رین قلب وغیرہ

الفاظ سے باطن کی اسی خرابی کا ذکر ہوا ہے۔ اسلام کے اصول اولین توحید کے بیان کے لئے

قرآن کریم کی جامع تر سورت کا نام ”الاخلاص“ رکھا گیا ہے (سورہ الاسراء میں ایک جگہ نیت

کے حسن و قبح کے نتائج یوں بیان ہوتے ہیں۔

” من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشأ من نريد ثم جعلنا له جهنم  
يصلها مذموماً مدحوراً ومن ادا الأخرى وسعى لها سعيها وهو مؤمن فأولئك  
كان سعيهم مشكوراً“

اعمال میں نیت کی خرابی سے واقع ہونے والی بربادی کے بارے میں متعدد احادیث اور  
عہد نبوی کے بعض واقعات بھی سیرت اور حدیث کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں صرف  
ایک قدرے طویل حدیث بیان کی جاتی ہے جسے مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے (بحوالہ  
التاج جلد ۱ ص ۵۸ ۵۷)

عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : إن اول الناس یقضی  
یوم القیامۃ علیہ - (۱) رجلٌ اُستشهد فاتی بہ فعرفہ نعمہ فعرفها قال :  
فما عملت فیہا؟ قال : قاتلتُ فیک حتی اُستشهدتُ - قال کذبت وکنک  
قاتلت لأن یقال جوئیٌ فقد قیل - ثم أمر بہ فسُحب علی وجہہ حتی ألقى  
فی النار - (۲) ورجلٌ تعلم العلم وعلمہ وقرأ القرآن فاتی بہ فعرفہ نعمہ  
فعرّفها - قال : فما عملت فیہا؟ قال : تعلمت العلم وعلمتہ وقرأتُ فیک القرآن -  
قال کذبت وکنک تعلمت العلم لیقال عالم وقرأت القرآن لیقال هو قادی  
فقد قیل - ثم أمر بہ فسُحب علی وجہہ حتی ألقى فی النار - ورجلٌ وسَّع اللہ علیہ  
وأعطاہ من أصناف المال کلہ - فاتی بہ فعرفہ نعمہ فعرفها قال : ما عملت فیہا؟  
قال : ما ترکت من سبیل تب أن ینفق فیہا إلا انفقت فیہا لک - قال کذبت  
ولکنک فعلت لیقال هو جواد فقد قیل - ثم أمر بہ فسُحب علی وجہہ ثم ألقى  
فی النار - (مسلم، ترمذی، نسائی بحوالہ التاج ج ۱ ص ۵۷)

گویا جہاد۔ تعلیم و تعلم اور انفاق مال ایسے اعمالِ جلیلہ بھی حسن نیت اور اخلاص کے بغیر مردود  
ہیں۔ بات یہ ہے کہ مسلمان کا ہر عمل اور ہر قول ”بِاللہ“ اور ”فی اللہ“ کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے  
یہاں صرف قول و فعل ہی میں نہیں بلکہ ان کے ساتھ نیت اور اخلاص کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔

قلب، لسان اور جوارح میں سے کسی ایک پر زے کی خرابی، گردہ و سیرت کی پوری مشینری کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ باقی دنیا کو جانے دیجئے ہم مسلمانوں اور خصوصاً پاک تانی مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی اور دی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ اپنے قول و فعل کے تضاد کے باعث ہم کسی انجام کی طرف رواں دواں ہیں؟ ہم اسلام کو سب سے اعلیٰ و ارفع نظر یہ حیات کہتے ہوئے بھی اسے عملاً آج تک نہ اپنا سکے۔

جب ساری دنیا نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا اس وقت ہم نے دین و سیاست کی یکجائی کا نرالا نعرہ بلند کر کے دشمنوں کو تو چرکنا کر دیا اور خود ایک تہائی صدی سے اپنے دین کو سیاست کا تابع مہمل بنانے کی مساعی میں لگے ہوئے ہیں۔

لڑ گئے غیر سے مذہب کا لگا کر نعرہ

اور خود اپنے لئے کفر سے نیت باندھی

زندگی کے ہر شعبے میں دین کے اقتدار کے قائل ہوتے ہوئے ہم عملاً دین کو پرائیویٹ سے بھی کچھ دُور تر کر دیا ہے۔

اتباع شریعت کے دعوے بھی ہیں روح شیدائے تقلید افرونگ بھی

پاکستان کے اہم رسائل و جرائد خصوصاً جو سرکاری یا نیم سرکاری اہتمام سے چھپتے ہیں۔ ان میں گزشتہ تیس برسوں میں شائع ہونے والے صرف "سیرت نبوی" میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر ایوان ہائے حکومت سے جاری ہونے والے بیانات اور بیانات کا مطالعہ کیجئے! اللہ اکبر! کیسے کیسے لوگوں نے کیا کیا دیا کھیاں دیئے؟ (ولکن کانوا انفسهم یظلمون) اور ذرا اسی مدت کے اخبارات کی صرف وہ سرخیاں اور خبروں کے عنوانات جمع کیجئے جن کا آخری حرف کسی صیغہ وعدہ "گا، گے، گی" تھا۔ اور پھر دیکھئے کہ ہم کہتے کیا رہے اور کرتے کیا رہے؟ پوچھیں گے سچ کہا تھا؟

استغفروا لله من قول بلا عمل لقد نسبت یہ نسل لذي عقم

آج ہمارے دفاتر میں (الآ ماشاء اللہ) خلوص اور محنت سے زیادہ "خانہ پوری" کا جذبہ کار فرما ہے۔ ہماری تجارت، ہماری برآمدات، ہمارے ٹھیکے اور ٹنڈر، ہماری صنعت و حرفت، ہماری

دانش کا ہیں حتیٰ کہ خدمت خلق کے ادارے بھی۔ کونسی ایسی جگہ ہے جہاں قول و فعل کا تضاد موجود نہیں ہے جس چیز کو اللہ عزوجل نے اپنے مقت اور غضب کا نشان بتایا۔ اسے اپنا کر کیا ہم واقعی کہیں غضب الہی میں گرفتار تو نہیں ہو گئے؟ اس سے بڑھ کر اور غضب کیا ہوگا؟ کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہیں رہا۔ کوئی کسی سے مطمئن نہیں ہے۔ ہماری تقریریں اور وعظ کیوں بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ قول و فعل کے تضاد کا زہر ہے جو ہر شے کو برباد کئے جا رہا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحابہ کرام اور ان کے بعد کے ضوفیہ اور صلحاء نے تو اپنے قول و فعل کی ہم آہنگی سے اسلام کو ساری دنیا کے لئے جاؤب نظر بنا دیا مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اپنے مطالعہ کی بنا پر اسلام کو دین حق سمجھ جانے والے لوگ بھی ہماری صفوں میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں۔

اسلم بذات خود ندارد عیبے ہر عیب کہ مبتت از مسلمانی ماست

اور اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا

بروں آ از مسلماناں گریز اندر مسلماناں  
مسلماناں روادارند کافر ماجراں!

آج اجتماعی سطح پر ہماری یہ حالت ہے کہ

راہ بتائیں اور گو آپ پھر یں گسراہ  
مشعل جن کے ماتھ نہیں انہیں نہ سوچھے راہ

اور انفرادی سطح پر اپنی ساری تعلیم و تہذیب اور روشن خیالی کی نائش کے باوجود عالم یہ ہے کہ

اجلے سر کے کیس ہیں من کا تک کا ڈھیر  
باہر چھپائی چاندنی اندر گھپ اندھیر

صحابہ کرامؓ میں سے بعض تو اپنے دل کے دوسوں سے بھی خائف رہتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے اپنی اس روحانی اور نفسیاتی الجھن تک کا حل طلب کرتے تھے۔ بعض اکابر کی احتیاط کے

بارے میں مروی ہے کہ وہ وعظ اور تقریر سے گھبراتے اور عذر یہ پیش کرتے، تا مونی ان اقول

مالا فعل فاستعجل مقت اللہ عزوجل، مگر ہماری جسارتوں کا یہ عالم ہے کہ نیت کی بارکیوں

اور ضمیر کی گہرائیوں کو چیک کرنا تو درکنار اپنے قول و فعل کے صریح تضاد پر بھی کبھی پشیمان نہیں ہوتے۔

پشیمان ہوں تو توبہ نہ کر لیں تو یہ پشیمانی ہی کا تو نام ہے۔ "انما التوبۃ الندم" (حدیث)

مسلمان کا سب سے پہلا، سب سے بڑا اور سب سے انقلاب انگیز قول کلمہ طیبہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان ہے۔ جب اس قول کو ہی دل میں جگہ نہ دی۔ جب



اپنے ظاہر و باطن کو اس کے مطابق نہ ڈھالا، جب اپنے عمل اور کردار میں "الوہیت" اور "رسالت" پر ایمان کے تقاضوں کی کوئی جھلک پیدا نہ کر سکے۔ جب خدا اور رسول کے ساتھ بھی معاملہ زبانی جمع خرچ

(تک محدود رہا تو عام انسانوں کے ساتھ قول و فعل کے تضاد میں خرابی کیسے نظر آئے؟ جلسوں جلسوں کے نعرہ ہائے تکبیر کو چھوٹی سی، ہم تو باقاعدہ پانچ وقت اذانوں میں ساری دنیا کے سامنے "اللہ اکبر" کا اعلان کرتے رہتے ہیں مگر ہمارے اعمال و افعال میں اللہ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کوئی احساس بصورت تقویٰ و خشیت نظر نہیں آتا۔

قول و فعل کے اس تضاد کو دور کرنے یا نہ کر سکنے پر ہی ہمارے 'دینی ضمیر' کی زندگی یا موت کا دار و مدار ہے۔ اگر اس دینی ضمیر میں کوئی خرابی واقع ہوگئی تو پھر سارے ترقیاتی پروگرام مل کر بھی ہمیں برے انجام سے نہیں بچا سکیں گے۔

دنیا کو تسخیر کر، ذرے کا دل چیر

لیکن پہلے صاف کر اپنا پاک ضمیر

قول و فعل کا تضاد جتنا کم ہوتا چلا جاتا ہے اتنا ہی مسلمان اپنی اس اصلی "منزل ترقی و کمال" سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے جہاں وہ "لا الہ الا اللہ کی مشکلات" کو خذہ پیشانی سے قبول کرتا ہے، اور جہاں ہزار خوف بھی اس کی زبان کو دل کا رفیق ہونے سے روک نہیں سکتے۔

# معاشرے کی تشکیل میں سیرت النبی کی اہمیت

(پروفیسر عبدالقیوم، اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَةِ الرَّحْمٰنِ الْعَلِیْمِ  
 سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، احمد محبتی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع الصفات  
 ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے مکمل اسوہ اور پاکیزہ نمونہ قرار دیا ہے۔  
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ  
 تعالیٰ کی اطاعت ہے اور صرف آپ کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہدایت و راہنمائی حاصل ہوتی ہے  
 وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا - آپ کے بغیر اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کا تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔  
 رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ کی بدولت بنی نوع انسان کو  
 اخلاق روشنی اور روحانی نور میسر آ سکتا ہے اور یہی قرآن مجید کے اس اعلان کا ہے وَإِنَّكَ لَعَلَى  
 خُلُقٍ عَظِيمٍ یہ حقیقت بھی جانی بوجھی ہے کہ آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد مکارم  
 اخلاق کی تشکیل و تہمید بھی ہے۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ - اس حقیقت کو بھی سب لوگ  
 تسلیم کرتے ہیں کہ زندگی کے ہر موڑ پر اور عمر کے ہر دور میں آپ کی سیرت طیبہ سے راہنمائی اشد  
 ضروری ہے۔ انفرادی اور اجتماعی، معاشی اور سیاسی، ملکی اور ملی، فوجی اور شہری ہر قسم کے  
 معاملات و مسائل میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے چراغِ راہ ہے۔

اگر ہم اپنے معاشرے کی تشکیل انہیں خطوط پر کر پائیں جو ہمیں سیرت النبیؐ مہیا کرتی  
 ہے تو ہمارا معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اور ہر شخص کو سکونِ قلب میسر آ سکتا ہے  
 عدمِ اطمینان اور عدمِ اعتماد کی موجودہ فضا ختم ہو سکتی ہے۔ انفرادی بے چینی، اجتماعی اضطراب  
 اور عدمِ تحفظ کا احساس اس وقت تک ہمارے اعصاب پر برابر سوار رہے گا جب تک ہم

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ کو اپنی ذات پر اور اپنے معاشرے میں نافذ نہیں کر لیتے۔

معاشرے کا نقطہ آغاز گھر ہے اور گھر سے معاشرے کی تشکیل کا عمل شروع ہوتا ہے۔ گھر کا سربراہ مرد ہوتا ہے وہ ایک شوہر ہے جو اپنی رفیقہ حیات کی عزت و آبرو اور عفت و عصمت کا پاسبان ہے۔ وہ ایک بیٹا ہے جو اپنے ماں باپ کا فرماں بردار اور اطاعت شعار ہے۔ اور ان کے بڑھاپے کا سہارا اور ان کی امیدوں کا آسرا ہے۔ وہ ایک باپ ہے جو اپنی اولاد کا کفیل و ضامن، ان کی تعلیم و تربیت کا نگدان اور ان کے دین اور عقیدے کا محافظ اور مربی و معلم ہے۔ اولاد سے محبت و الفت ایک فطری تقاضا ہے لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فکاری تقاضے میں جو حسن اور دلفریبی پیدا کر دی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ پیکرِ رافت و رحمت صلی اللہ علیہ وسلم محبت و شفقت سے مجبوب نواسے حضرت حسنؑ کا منہ چوم رہے تھے۔ حضرت اقرع بن حابسؓ قمی پارس بیٹھے تھے۔ بنو تمیم کے اس سردار نے یہ دیکھ کر تعجب سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے تو کبھی کسی کو اس قسم کا پیار نہیں دیا اور نہ کسی کا منہ چوما ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ لَا يَرْجَمُ، لَا يَرْحَمُ (بخاری)۔ آپ نے اس مختصر جواب میں محبت و شفقت کا فلسفہ بیان فرما دیا اور بڑے لطیف انداز میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اپنی اولاد سے محبت و شفقت رحمت کی علامت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں اور رحمتوں کے حصول کا ایک بہانہ اور ذریعہ بھی۔ علاوہ انہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی جسمانی اور روحانی تعلیم و تربیت کے بدلے میں جنت کی بشارت بھی دی ہے۔

گھر میں امن و سکون کا ماحول پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار ہوں۔ وہ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں اور ایک دوسرے کے مزاج شناس ہوں۔ میاں کی ذمے داریاں زیادہ ہیں۔ وہ اپنی رفیقہ حیات کے ناموس و عزت کا پاسبان اور اس کے مال و جان کا محافظ ہے۔ اس لئے بیگم کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ قدر شناسی کا ثبوت دے اور میاں کی ولداری اور خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنے پائے۔ اور میاں کو یہ اعلان نبوی سنایا۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيٍّ۔ تم میں سے بہترین وہ مرد ہے جو اپنی

گھر والی کے حق میں بہت اچھا ہے۔ اور فرمایا کہ میں اپنی گھر والی کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔ اس ایک جملے میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو امن و سکون کا پورا فلسفہ بیان فرما دیا ہے۔

گھریلو مسائل میں سے ایک مسئلہ بزرگوں اور خوردوں کے باہمی تعلقات کا ہے۔ یہ بھی ایک نازک مسئلہ ہے۔ عام طور پر بڑے حضرات چھوٹوں سے خفا ہو جاتے ہیں اور چھوٹے تو ہوتے ہی چھوٹے ہیں، وہ بدتمیزی پر اتر آتے ہیں اور عزت اور بے عزتی کا سوال ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے کو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی عمدگی اور خوبی سے حل فرمایا کہ ہماری ملی اور دینی روایت یہ ہے کہ بڑوں کا احترام بہر حال کیا جائے اور چھوٹوں پر شفقت و رحمت ہمارا دینی خلق ہے۔ مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ اگر ہم ان ارشاد عالیہ کو مشغول راہ بنا لیں۔ بزرگ حضرات چھوٹوں سے محبت و شفقت سے پیش آئیں، ان پر رحم و کرم کی نظر رکھیں اور چھوٹے اپنے بزرگوں کا پورا پورا ادب و احترام کریں تو ہمارا گھر اور ہمارا معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔

اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا مسئلہ شاید اتنا اہم نہیں اس لئے کہ ہر طبقے کے والدین کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ ہماری اولاد بہترین تعلیم و بہتر سے آراستہ ہو کر سکھ، چین اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ماں باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے اور یہ بات تو ہم میں سے اکثر کے مشاہدے میں آئی ہوگی کہ ایک نہایت عزیز اور فقیر کا بیٹا اپنی محنت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بڑی سے بڑی کرسی کی رونق بنا۔ یہی صورت خواتین میں نظر آتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اصل مسئلہ اولاد کی تعلیم و تربیت کا نہیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ شفقت پداری اور مہر مادی کے طفیل خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ دراصل مسئلہ ماں باپ کی دیکھ بھال، ان کی ضرورتوں کا خیال اور ان کی آسائش و سہولت کے اہتمام کا ہے۔

جب انسان جوان ہو کر کہ عائلی زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو اہل و عیال اور بیوی بچوں کی ضرورتاً ایسے پریشان کرنے لگتی ہیں۔ پہلے اس کی توجہ اور محبت کا محور و مرکز والدین تھے۔ اب اولاد اور رفیقہ حیات پر اس کی توجہ اور محبت مرکوز ہو جاتی ہے۔ ایک والد کسی نہ کسی صورت اپنے آٹھ دس بچوں کی کفالت کا بوجھ خندہ پیشانی سے اٹھاتا ہے۔ دن رات محنت و مشقت کر کے انہیں پروان چڑھاتا

ہے۔ لیکن پانچ چھ بچے ماں باپ کی کفالت کو اپنے لئے بوجھ تصور کرتے ہیں۔ والدین کی قربانی اور  
 ایثار کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ ان حالات سے معاشرے میں بددلی، بد اعتمادی، احسان فراموشی  
 اور بے مروتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال کا سدباب کرنے کے لئے قرآن مجید میں الدین  
 سے حسن سلوک کرنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی۔ وبالوالدین احساناً کا درس دیا۔ اس سے بھی ذرا آگے  
 قدم بڑھایا اور فرمایا کہ ان کی دلجوئی اور ولداری کو ہر بات پر مقدم رکھا جائے۔ یہاں تک عالم پیری  
 میں ان کے ناگوار طرز عمل کو بھی بخندہ پیشانی گوارا کیا جائے۔ ان سے نرمی سے بات کی جائے۔ ان  
 کے سامنے اونچی آواز سے بولنے سے منع کر دیا۔ ترش روئی سے پیش آنے سے روک دیا اور ان کے لئے  
 دل آزاد کلمات کے استعمال کی ممانعت کر دی، فرمایا: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُتٍ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ  
 لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ہ بات یہیں ختم نہیں کر دی گئی۔ والدین کی نافرمانی سے سختی سے روکا گیا۔ رحمتِ عالم  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی نافرمانی یعنی حقوق الوالدین، کو اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے۔ اکبر الکبائر میں  
 پہلا درجہ الاشرک باللہ کا ہے اور اس کے بعد حقوق الوالدین یعنی والدین کی نافرمانی اور مخالفت کا۔  
 والدین سے نیکی کرنے کی تاکید کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک مشہور حدیث ہے۔  
 انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟ آپ  
 نے فرمایا، بروقت نماز ادا کرنا، عرض کیا پھر فرمایا۔ والدین سے نیک سلوک کرنا۔ رحمتہ للعالمین  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس نیک سلوک (پرہیز) کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ علمائے اسلام اور  
 محدثین کرام نے ”برہ“ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں والدین کی اطاعت و فرمانبرداری  
 ان سے حسن سلوک کرنا۔ ان کے حالات سے باخبر رہنا، ان کی بہتری اور آسائش و سہولت کا خیال  
 رکھنا اور ان پر خرچ کرنا سب کچھ شامل ہیں، اور اسی طرف قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا، اِنَّ  
 اشْكُوْلِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ - یعنی میرا شکرا داکر و اور والدین کا شکرا داکر و اور والدین کے شکر سے  
 مراد بھی مندرجہ بالا امور ہیں۔ بعض احادیث میں ماں کی خدمت میں حاضری کو جہاد پر ترجیح دی گئی  
 ہے۔ نیز صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میری خدمات کا حقدار کون  
 ہے؟ آپ نے فرمایا، تیری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا۔ پھر کون؟ آپ نے فرمایا کہ تیری ماں،

پھر تیسری مرتبہ اس نے پوچھا تو آپ نے جواب دیا تیری ماں۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر فرمایا کہ تیرا باپ۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جنت تیری ماں کے قدموں میں ہے یعنی ماں کی خدمت کرو گے تو جنت ملے گی اور یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ جنت و دوزخ کا عقیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید نے وضاحت سے بیان فرمایا کہ جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ فوز و کامرانی سے ہمکنار ہوگا۔ حصول جنت مقصود و مطلوب مومن ہے، ارشادِ ربانی ہے: **مَنْ زُحِرْجَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ**۔ سو حقیقی کامیابی جنت کا حصول ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسے ماں کی خدمت سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا جنازہ پڑھنے سے محض اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ ماں کا نافرمان تھا اور ماں اس سے ناراض تھی بلکہ حکم دیا کہ اگر اس کی ماں اسے معاف نہ کرے تو پھر اس کی لاش کو جلا دو۔ یہ سن کر ماں نے معافی مانگی دی۔ علاوہ انہیں رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے ماں باپ کو گالی دینے کو کبیرہ گناہ شمار کر کے اس مذموم فعل سے بھی روک دیا تاکہ گالی کے بدلے میں دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی نہ دے (بخاری)۔

گھریلو امن و سکون اور ذہنی آسائش اور قلبی اطمینان اس بات پر منحصر ہے کہ بوڑھے والدین کی دیکھ بھال اور خدمت میں کسی قسم کی سستی اور کوتاہی نہ ہونے پائے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ صلہ رحمی کے نتیجے میں رزق میں فراخی اور کشائش ہوتی ہے اور عمر بھی لمبی ہوتی ہے: حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُسْأَلَهُ فِي آثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَجْمَهُ** (بخاری)۔

اس طرز عمل کے اپنانے سے معاشرے میں باہمی اعتماد اور روحانی راحت میسر آجاتی ہے۔

معاشرے کے عناصر ترکیبی میں دوسرے درجے پر ہمسائے اور پڑوسی آتے ہیں۔ گھر کے اندر پرسکون فضا اور پر امن ماحول پیدا کرنے کے بعد رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ گھر کے باہر بھی ایسا ہی خوش گوار اور دلپسند ماحول پیدا ہو جائے تاکہ معاشرے کا ہر عنصر خوش گوار زندگی بسر کر پائے۔ امت کا غم کھانے والے سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر فرد کا کتنا خیال ہے اور ہماری بہبود و بہتری کتنی عزیز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے ہمسایوں کے بارے میں مسلسل اور پیہم وصیت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ ہمسائے کو بھی وارثوں میں شامل کر لیا

جائے گا۔ (بخاری) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنِ إِلَىٰ جَارِهِ (متفق علیہ) یعنی جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان  
رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرے۔ لفظ احسان بڑے وسیع معنوں کا  
حامل ہے۔ اس میں ہر طرح کی بھلائی، خیر خواہی اور نیکی شامل ہے اچھا اور نیک سلوک، ایک مسلسل عمل  
ہے۔ جو کئی جہتوں کو حاوی ہے۔ مثلاً آپ کا ہمسایہ آپ سے اعانت طلب کرتا ہے تو اس کی اعانت  
کیجئے، اسے کوئی ضرورت ہے تو وہ پوری کیجئے۔ اگر وہ بیمار ہے تو اس کی عیادت کیجئے۔ کوئی خوشی  
نصیب ہوئی ہے تو اسے مبارک باد کیجئے۔ اگر کوئی صدمہ پہنچا ہے تو اس سے تعزیت کیجئے اور تسلی  
دے کر اس کی ڈھارس بندھا لیں۔ اس کے رنج و غم اور خوشی و مسرت میں شریک ہو کر اپنے  
فرائض ہمسائیگی کو بجالائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو یہیں ختم نہیں کر دیا۔ آپ نے  
مزید احتمالات اور خدشات کو رفع کرتے ہوئے پڑوسی کے حقوق میں یہ بات بھی شامل فرمادی اور اتنی  
تاکید کے ساتھ کہ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کہ فرمایا کہ وہ شخص مومن کہلانے کا قطعاً حق نہیں رکھتا جس کا  
پڑوسی اس کے غیظ و غضب، مکر و فریب اور ایذا و تکلیف سے محفوظ نہیں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: الَّذِي  
لَا يُؤْمِنُ جَانُّكَ بِوَأَتَقَهُ (متفق علیہ) معاشرتی روابط کے سلسلے میں اس سے بہتر تعلیم و تربیت  
کہیں اور مل سکتی ہے؟ ہمارے مادی و رہنما تو رحمۃ اللعالمین ہیں۔ انہیں یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ ایک مکان کے  
باسی تو پیٹ بھر کر کھائیں اور رات بھر خوب مزے سے سوئیں اور ساتھ والے مکان میں رہنے والے  
بھوکے ہی رات بسر کریں۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال کو اسلام اور ایمان کے  
سراسر منافی قرار دیا۔ فرمایا: لَا يُؤْمِنُ مَنْ بَاتَ جَارُكَ جَانِعًا۔ (بخاری) یعنی جس کا پڑوسی رات  
بھوکا رہا وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو گیا۔ یہ چونکا دینے والا فرمان نبوی ہمارے لئے تازہ یاد  
عبرت ہے۔ معاشرے کی حالت سنوارنے اور ایک دوسرے کا دم بھرنے اور ضرورتوں کا خیال رکھنے  
کے لئے اس سے زیادہ سخت حکم کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو پیٹ کے تقاضے پورے کرنے کے سلسلے میں فرمایا  
تھا اور دوسری حدیث میں ہمسایوں کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنے کے لئے آپ نے  
یوں راہنمائی فرمائی کہ سالن اور کھانا پکاتے وقت ہمسایوں کو نظر انداز نہ کرو۔ کچھ اسے بھی بھیج دو۔

گنجائش نکالنے کے لئے سالن میں پانی زیادہ ڈالنے کی ترغیب بھی دلائی۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمسائے کو کچھ بھیجنے کا ارادہ نہیں تو پھر کوشش کرو کہ ہنڈیا اور کھانوں کی خوشبو ہمسائے کے گھر تک نہ جائے ایک حدیث میں یہ تلقین فرمائی کہ جب گھر میں کوئی پھل وغیرہ لاف تو ہمسائے کو بھی شریک کرو اور اس کے بچوں کے لئے بھی کچھ پھل بھیج دو۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر پھل کے چھلکے وغیرہ گھر کے اندر رکھو۔ باہر نہ پھینکو تاکہ غریب ہمسائے کے بچے چھلکے دیکھ کر ترسنے نہ پائیں۔ سبحان اللہ! انسانا جذبات کا احترام ملحوظ خاطر ہے۔ بظاہر یہ چھوٹی باتیں نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں اعلیٰ اقدار اور بلند اخلاق سکھاتی ہیں۔

گھر کے بعد پڑوس اور محلہ پھر پورا معاشرہ، سارا گاؤں، سارا شہر اور سارا ملک بلکہ سارا عالم پیش نظر ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی سختیوں اور تکلیفوں کو دور فرما دے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُظْلَمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ  
كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُوبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ  
كُوبَةً مِنْ كُوبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ وَالْبِنَادَى وَالْمُسْلِمِ

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عالی ظرفی بلند حوصلگی اور اعلیٰ اخلاق و عمدہ کردار کی تلقین کی ہے اور جس اخوت، تعاون اور ہمدردی اور ایک دوسرے کے کام آنے کی تعلیم دی ہے اس سے ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کی راہیں بھی بند کر دیں تاکہ لوگوں کے امن و سکون میں خلل اندازی نہ ہو سکے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ معمول سی گالی گلوچ سے بہت ہیجان و اضطراب اور ہنگامہ و فساد پیا ہو جاتا ہے اس صورت حال کی روم تمام کے لئے فرما دیا کہ اہل ایمان کو گالی دینا کافرانہ حرکت ہے فرمایا۔ سَيَابُ الْمُؤْمِنِينَ كُفْرٌ





معاشرے کے ہر فرد کا خیال ہے اور ہر فرد کی تکلیف اور ضرورت کا احساس ہے۔ آپ نے دو انگلیاں کھڑی کر کے فرمایا کہ یتیم کی سرپرستی اور کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح میرے ساتھ ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔

مسلمانوں میں احساس ذمہ داری بیدار کرنے اور ان کے فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے فرمایا کہ معاشرے میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بحالت مجبوری بھوک سے دوچار ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ اور اگر کوئی تمہارے آس پاس بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو اور ایسے تسلی دو کہ اللہ تعالیٰ جو شافی مطلق ہے اسے اپنی رحمت سے شفا و سعت عطا کر دے گا۔ ارشاد نبوی ہے:

أَطِيبُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ۔

معاشرے میں کاروباری لوگ بھی ہوتے ہیں۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہک اور دکاندار دونوں کی راہنمائی فرمائی۔ دکاندار سے فرمایا کہ کم نہ تولے، بازار کا بھاؤ برتے اور ناقص اشیاء اور ملاوٹ کی چیزیں فروخت نہ کرے۔ گاہک کو چوکس رہنے کی ہدایت فرمائی خرید و فروخت کے وقت خندہ پیشانی اور خیر خواہی کے جذبے کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ تنگ دلی، بددیانتی اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے جذبے سے احتراز کی تلقین فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ بازار سے گزرے۔ غلے کا ڈھیر لگا ہوا دیکھا تو اس میں ہاتھ ڈالا۔ معلوم ہوا کہ اوپر سوکھی ہوئی اچھی گندم ہے اور نیچے کھلی اور ناقص۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ دھوکے کی تجارت کرنے والا اور ملاوٹ کر کے دھوکا دینے والا ہماری ملی روایات کا دشمن ہے۔ لہذا وہ ہم میں سے نہیں۔ الفاظ مبارک ملاحظہ ہوں۔ حسن عتق فلیس منا۔ اس طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب کسان اور زمیندار غلہ وغیرہ لے کر شہر کو آئیں تو انہیں راستے ہی میں روک کر سودا نہ کر لو بلکہ انہیں منڈی میں پہنچنے دو تاکہ چیزوں کا بھاؤ ٹھیک اور صحیح قائم رہ سکے۔ نہ تم اس کی بے خبری اور لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھاؤ اور نہ چیزوں کا بے جا طور پر بھاؤ چڑھنے پانے۔ قیمتوں کو متوازن رکھتے کے لئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ غلہ منڈی میں لاکر فروخت کیا جائے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل و خون ریزی اور چوری ڈکے کی روک تھام کے لئے بھی واضح ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ عرض کروں گا

کہ ہماری فلاح و کامرانی اسی میں ہے کہ معاشرے کو شرعی قوانین کی نعمت سے متمتع ہونے کا موقع ضرور دیا جائے۔

✓ پر امن اور پرسکون معاشرے کی تشکیل کے ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ معاشرے کے افراد بکثرت ذکر الہی کریں اور فکر معاش سے زیادہ فکر کا دھیان رکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر الہی سے خالی نظر نہیں آتا۔ آپ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ذکر الہی میں مشغول رہتے۔ قرآن مجید میں تو میدان جنگ میں بھی بکثرت ذکر الہی کا حکم آیا ہے۔ ذکر الہی کی تمام مسنون صورتیں ہمارے سامنے ہیں اور ان میں سے آسان ترین اور اہم صورت نماز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قُوَّتِ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ اب معاشرے کو چاہیے کہ صلوٰۃ کی پابندی اختیار کر کے اطمینان قلب کے اسباب مہیا کرے۔ اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ : اللّٰهُ کے ذکر سے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

✓ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم فریضہ کتاب و سنت کی تعلیم تھا۔ يَعْلَمُكُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ یعنی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں نیز وہ سب کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری تعلیمات قرآن و حدیث میں محفوظ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نظام تعلیم میں قرآن و سنت کو پورا حق دیا جائے تاکہ ہمارا معاشرہ علوم نبویہ علی صاحبنا الصلوٰۃ والسلام سے فیض یاب ہو کہ صحیح راہ پر گامزن ہو سکے۔ ہم ان علوم نبویہ کے حامل و امین ہیں یہ علوم مقدسہ ہمارا دینی اور تہذیبی ورثہ ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اس امانت اور ورثے کو بڑی محنت اور لگن سے اپنے نوجوانوں اور نئی نسل تک پہنچائیں تاکہ یہ سلسلہ قائم و جاری رہے۔ یقین چاہیے کہ اس کے بغیر تاریکیاں اور اندھیرے ختم نہیں ہو سکتے۔ یہی چراغ چلیں گے تو روشنی ہوگی۔

واخبر دعونا ان الحمد لله رب العالمين۔

# سیرتِ مصطفیٰ ﷺ میں عرضِ کربلے پیغام

پروفیسر غازی احمد پریسل گورنمنٹ کالج بوجھال کلاں بہلم

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى اما بعد، فاعوذ بالله  
من الشيطان الرجيم - بسم الله الرحمن الرحيم، لقد من الله على  
المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلو عليهم آياته  
ويزكهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال  
مبين ۛ (آل عمران: ۱۶۴)

درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کوان کے درمیان انہی میں  
سے ایک ایسا عظیم الشان رسول مبعوث کیا جو اس کی آیات انہیں پڑھ کر سنا تا ہے اور ان کی زندگیوں  
کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالیکہ اس سے پہلے لوگ مرتج گمراہی میں مبتلا تھے  
یہ سید امر ہے کہ رونے زمین پر انسانیت کا نقطہ آغاز آدم علیہ السلام تھے۔ اور سلسلہ  
نبوت کی پہلی کڑی بھی حضرت آدم ہی تھے۔ علمائے محققین نے انسانیت کو تین ادوار میں تقسیم کیا  
ہے انسانیت کا عالم طفولیت۔ عالم شباب اور عالم کہولت یعنی بڑھاپا اور اختتام۔

آدم علیہ السلام نے نوح علیہ السلام تک انسانیت بچپن کی منازل طے کرتی رہی اس دور  
کے انبیائے کرام کو انبیائے اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کبھی اس دور میں انبیائے کرام  
اپنی اپنی امتوں کو صرف اخلاقی تعلیم دیا کرتے تھے جیسے ایک بچے کو عالم طفولیت میں صرف اخلاقی  
اقدار سے روشناس کرایا جاتا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے چوری کرنا بڑا کام ہے کسی کو فریب دینا  
اچھا نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

انسانیت کے دور ثانی کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام سے ہوتی ہے اور یہ دور حضرت  
عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک پھیلا ہوا ہے حضرت نوح کے دور میں لوگوں میں اعمالِ سیئہ کے



ہوئے حالات کا ساتھ دینے کی اہلیت رکھتا ہے جس میں مختلف حکومتوں اور پارلیمانی دستوروں کی طرح ترمیم و تیسخ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ یہ دستور حیات خدائے لایزال کا مرتب کردہ ہے۔ جو اپنی تمام حقیقتوں کے ساتھ ابدی اور دائمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَقَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ تَرَضَيْتُمْ لَكُمْ اِلَّا سَلَامًا دِينًا (المائدہ: ۳)** اے بنی نوع انسان آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

تکمیل دین اور ختم نبوت لازم و ملزوم ہیں چنانچہ آپ کی بعثت کے بعد سلسلہ نبوت کا انقطاع ایک ضروری امر ہے۔ نامکمل چیز کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کسی تکمیل کنندہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بہم وجہ مکمل چیز کی تکمیل تحصیل حاصل کی حیثیت رکھتی ہے جو بدایت باطل ہے۔ اس لئے آپ کے بعد قیامت تک کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ جو دین کی تکمیل کرے کیونکہ دین مکمل صورت میں موجود ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایسا دور آ رہا تھا جس میں فرائع آمدورفت اور رسل و رسائل کی ترقی کی بنا پر اقوام عالم اور مختلف ممالک ایک دوسرے کے بہت قریب آنے والے تھے۔ اور دنیا سمٹ کر مختصر ہونے والی تھی۔ ایسے آلات معرض وجود میں آنے والے تھے جن کے توسط سے فرد واحد کی آواز رُبع مسکوں میں ہر جگہ پہنچ سکے۔ لہذا ایسے حالات میں ایک کمال و اکمل ہادی کی ضرورت تھی۔ جو ایک ابدی اور جامع فلسفہ حیات لے کر آئے۔ اور تمام بنی نوع انسان کو ایمان کمال۔ اعمال حسنة اور اخوت و مساوات کا سبق دے یہ ہادی اکمل جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

اب انسانیت عالم شباب کے نقطہ عروج پر پہنچ چکی ہے اور بڑھاپے کی منزل کی رہیں اس کے سامنے ہیں اب کسی جدید یا ماڈرن ہادی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بڑھے طوطے نہیں پڑھا کرتے۔ انسانیت کو دور شباب میں جامع ضابطہ حیات مل چکا ہے۔ اب تو ہمیں اس وقت کا انتظار ہے۔ جب بڑھی انسانیت اپنی عمر کی انتہاء کو پہنچ جائے گی اور دم توڑ دے گی۔ یہی قیامت کا نقطہ آغاز ہوگا۔

مندرجہ بالا بیان کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ نبوت کے آخری امین

ہیں۔ اور آپ کا پیغام فلاح انسانیت کے لئے آخری اور ابدی پیغام ہے جس میں کسی تغیر و تبدل کا احتمال نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَآلِهَ لَمُحَافِظُوْنَ (الحجہ: ۹) نصائح سے پر یہ کتاب یعنی قرآنِ کریم کو ہم ہی نے اتارا اور اس کی محافظت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

قرآنِ کریم سے پہلی کتبِ سماوی چونکہ مخصوص اقوام اور مخصوص اوقات کے لئے نازل کی گئی تھیں لہذا وہ تحریف اور قطع و بربادی کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ لیکن قرآنِ حکیم کے احکام قیامت تک جاری و ساری رہنے کے لئے نازل کئے گئے لہذا اللہ رب العالمین نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور چودہ سو سال کے طویل عرصے میں اعدائے اسلام نے قرآنِ حکیم میں التباس اور شکوک و شبہات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ مگر ع

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

اسلامی قوانین و احکام کی افادیت اگر ہم عملی صورت میں دیکھنے کے متمنی ہوں تو تاریخ کے اوراق پلٹتے جائیے اور دورِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر جا کر رک جائیے اور دیکھنے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کے لئے ایک ایسے معاشرے کا انتخاب کیا جو تہذیب و تمدن، علم و دانش اور عمل و کردار کے لحاظ سے سب سے بہتر معاشرہ تھا۔ دنیا میں کوئی بُرائی ایسی نہ تھی جو ان کے ہاں عملی صورت میں موجود نہ تھی۔ مگر پیغامِ رسالت نے ان کی کایا پلٹ دی۔ وہی جاہل و بے سواد لوگ علوم و فنون کے مسلم بن گئے۔ عدل و انصاف، دیانت و امانت، عبادت و ریاضت، خوش کرداری و خوش گفتاری نرم دلی و خدا ترسی، ایثار و قربانی اور موڈت و اخوت جیسے اوصافِ عالیہ کو اپنے دامن میں سمولیا۔ فردوسی نے ان کی سابقہ روایات کے مد نظر کہا تھا ہے

زبیر شتر خورون و سوسمار  
عرب را بجائے رسید است کار  
کہ تختِ کیاں را گنشد آرزو  
تغویر تو اسے چرخِ گرداں تغو

روحانی اور اخلاقی لحاظ سے صحابہ نے وہ ارفع مقام حاصل کر لیا کہ فرشتے بھی ان پر رشک کرنے لگے ان حضرات کے اوصافِ عالیہ کا ایک مجمل ساخا کہ اس آیتِ قرآنیہ میں موجود ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ  
رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ

السُّجُودِ۔ الایہ (الفتم: ۲۹) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں رحیم ہیں تم جب انہیں دیکھو گے تو انہیں رکوع و سجود۔ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی طلب میں مشغول پاؤ گے سجود کے نشانات ان کے چہروں پر نمایاں ہیں جن سے وہ انگ پھیلے جاتے ہیں۔

وہ کیسا داعی تھا اور کیسا انقلاب تھا جس نے چشم زون میں اہل عرب کی کایا ہی پلٹ دی۔ جاہل اور علوم سے بے بہرہ افراد کو مسلم انسانیت بنا دیا۔ قاتلوں اور ظالموں کو جان کا محافظ بنا ڈالا۔ انہیں عدل و انصاف کی پاسبانی عطا کی اور حق و صداقت کا علمبردار مقرر کیا۔ جن کی تمام قومیں دین کی اشاعت و ترویج کے لئے صرف ہوئے لگیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

وہ اسلامی شجر جس کو محمد نے لگایا تھا      وہ اسلامی شجر جس کو صحابہ نے بڑھایا تھا

یہ وہ نہیں شجر جس نے کہ پانی سے غذا پائی      صحابہ لے پلایا خون اس نے پرورش پائی

بنے مالی ائمہ دین تو اس پر بہا رانی      ہوئے ہم ناخلف ایسے کہ اس کی شکل خضائی

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس عزت و ارتقار اور عظمت و شوکت

کی بنیادی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادبی اور جامع پیغام تھا۔ جو آپ قرآن حکیم کی صورت میں لیکر آئے اور صحابہ کے سامنے اس کی عملی تفسیر کی۔

آپ کی سیرت طیبہ میں اس امر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ آپ نے صحابہ کو جو کچھ بھی کرنے کو کہا پہلے خود اس کا عملی نمونہ پیش کیا جس کی بنا پر وہ عمل صحابہ کی فطرت ثانیہ بن جانا۔ ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ جس امر کی جانب وہ دوسروں کی راہنمائی کرتا ہے اس پر وہ خود بھی عامل اور کار بند ہو اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ** (الصفت ۲۱) اے ایمان والو! ایسی بات تم دوسروں کو کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول آپ کے فعل سے مطابقت رکھتا اور آپ کا فعل آپ کے قول کا مفسر ہوتا۔ اسی بنا پر آپ کی سیرت طیبہ کو اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ و ارفع مقام دیا گیا۔ فرمایا **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** (الاحزاب ۲۱) درحقیقت تم لوگوں



کے لئے اللہ کے رسولِ مکرم میں ایک بہترین نمونہ تھا۔

اگر آپ نے دوسروں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی تو ان پر خود عمل کر کے دکھایا اگر دوسروں کو عظمتِ کار کی اہمیت بتائی تو خود نکتہ پیاں چن کر لائے۔ صحابہ کرام کے ساتھ ہر کام میں شرکت کی۔ جنگِ خندق میں خندق کی کھدائی میں اگر صحابہ مصروفِ کار تھے تو آپ بھی مٹی کی ٹوکری سر مبارک پر اٹھائے ہوئے تھے۔

اگر دوسروں کو صداقت و امانت کی اہمیت سے روشناس کرایا تو اپنی امانت و دیانت کا سکہ اپنے دشمنوں سے بھی منوایا۔ اور صادق و امین کا لقب پایا آپ نے صریح اور واضح الفاظ میں اعلان فرمایا۔ فَقَدْ كَسَبْتُ فِيكُمْ عُمَرًا مِنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (یونس: ۱۶)

آخر اعلانِ نبوت سے پہلے میں اپنی زندگی کی چالیس بہاریں تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل و سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ اس اعلان کے جواب میں کوئی مخالف شخص بھی قابلِ اعتراض بات پیش نہ کر سکا۔ بلکہ آپ کے صدق و امانت کا اعتراف کیا۔

اگر دوسروں کو عبادت و ریاضت کی ترغیب دلائی تو خود بھی فریضہ عبادت سر انجام دینے میں اس قدر اہمک شغف اور محنتِ شاقہ سے کام لیتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا۔ صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ کیوں اتنی تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ تو سید عالم فرماتے۔ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا مَشْكُوْرًا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

الغرض آپ کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کا کوئی گوشہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ کتبِ احادیث آپ کی سیرت کے ہر پہلو پر ضوِ نقشاں ہیں۔ "كَانَ خُلُقُهُ انْقِرَانُ" ہی آپ کے اخلاقِ عالیہ اور کردارِ سماوی کی واضح دلیل ہے۔

بعد میں آنے والے مفسرینِ قرآنِ کریم نے اگرچہ تفسیر کی کئی جلدیں لکھ کر امتِ محمدیہ پر احسان کیا ہے لیکن خود صاحبِ قرآن نے سب سے پہلے قرآنِ حکیم کی عملی تفسیر تحریر فرمائی جو بے شمار مجلدات پر مشتمل ہے اور احادیث کی صورت میں موجود ہیں۔

آپ کی سیرتِ طیبہ کی ہم جیسے ناقص العلم انسان کیا توضیح و توصیف کر سکتے ہیں بقولِ شاعر

ع لَا يُمَكِّنُ النَّشَاءُ كَمَا كَانَ حَقًّا

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم عصر حاضر والوں کو کیا سبق ملتا ہے۔ قرآن حکیم کی زبان سے سنئے  
 قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ  
 ؕ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ قَوْلُوا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ؕ قَالَ  
 عمران (۳۱:۳۲) اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے حقیقت میں محبت رکھتے ہو  
 تو میری اتباع و پیروی اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے  
 درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ محترم  
 کی اطاعت قبول کرو پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے  
 لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

دین و دنیا میں عظمت و سر بلندی کے حصول کا واحد راستہ یہی ہے کہ اتباعِ رسول کو عملی زندگی  
 میں اپنایا جائے قرآن کریم اس نکتے کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے وَ أَنتُمْ أَغْلَوْنَ  
 إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ؕ (آل عمران: ۱۳۹) اور تم ہی غالب و سر بلند رہو گے اگر تم خدا و رسول کی  
 اطاعت کی راہ پر گامزن رہو۔ صحابہ کرام نے یہی راہ اختیار کی تو عظمت و شوکت نے ان کے قدم چمکے  
 اور وہ برق رفتاری سے چار دانگ عالم میں فتوحات پر فتوحات حاصل کرتے چلے گئے۔

فتح و غلبہ کا انحصار قلت و کثرت کے مناسب پر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر ہے  
 ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے تین صد غیر مسلح افراد ایک ہزار مسلح اور طاقتور افراد کے  
 مقابلے میں غالب آسکتے ہیں۔ آل عمران آیت نمبر ۱۶ میں فرمایا إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ  
 لَكُمْ ؕ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہو تو بڑی سے بڑی طاقتور قوم بھی تمہیں نچا نہیں  
 دکھا سکتی۔ مگر اس نصرت کے حصول کے لئے ایک شرط عاید کر دی گئی۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا  
 نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الرؤم: ۴۷) اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم ایمان والوں کو نصرت سے سرفراز  
 فرماتے۔

اس جدید دور میں اگر ہم اسلاف کی سی عظمت و شوکت کے متمنی ہیں تو بقولِ سعدی علیہ الرحمۃ

مپندار سعدی کہ راہِ صفا تو اں یافت جز در پے مصطفیٰ

خلافتِ پیغمبر کسے راہِ گزید کہ ہرگز بمنزلِ سخا بہ رسید

ایسے تقییب کو تو یہ بیان سے خود گھٹنے سے تھرتھرتی ہے کہ جو تقییب کو کہیں اور سے  
 سے بعد اب وہ سب سے کہیں اس کی ایک حد سے تقییب پر ہے کہ میں اسے بدلنے کے لیے  
 یہ کہ تقییب کے لیے یہ بھی ہے کہ یہ خود اس کے بغیر کہ تقییب پر ہے کہ یہ تقییب کے  
 نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے

یہ تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے

تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے

تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے

تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے  
 تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے تقییب کے نام سے

اور وحدت و یگانگت نام کی کوئی چیز نہیں اسلام تو اپنے ماننے والوں کو بھی ایک مرکز پر جمع نہ کر سکا۔ یہ سوال سن کر میرا اندامت سے جھک جاتا۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاق و اتحادِ محبت و موافقت اور وحدت و یگانگت کا جو قیمتی سبق ملا تھا اسے ہم نے طاقِ نسیان پر رکھ کر اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ حتیٰ کہ آج ہمارے باہمی عقائد مختلف۔ ہماری مسجدیں الگ۔ ہماری نمازیں علیحدہ۔ ہماری آذائیں جدا اور ہمارے نظریات کے دھارے مختلف سمتوں میں بہنے لگے۔ کیا صحابہ کرام میں بھی اس قسم کی گروہ بندی موجود تھی؟ کیا قرآن کریم کی کسی آیت سے اس تشیت و افتراق کا جواز ملتا ہے؟ کیا ہماری یہ گروہ بندیوں اسلامی وحدت و یگانگت کے اُچلے دامن پر بدنام و داغ نہیں ہیں؟ کیا دینِ اسلام کی طرف مائل شخص ہمیں دیکھ کر یہ نہ کہے گا کہ میں ایسے دین کو اپنانے سے باز آیا جو اپنے ماننے والوں کو بھی ایک وحدت میں منسلک نہ کر سکا۔

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا دَاۤءِلْ عَمْرٰنَ ۙ كَاۤیَآءِیَ مَطْلَبِہٖ ؕ كَاۤیَآءِیَ ہم اس آیت کے مقتضی پر پورے اتر رہے ہیں۔

میری ناقص سمجھ اور ناقص علم کے مطابق تو سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عصرِ حاضر کے لئے اسی پیغام کی حامل و امین ہے کہ ہم اپنی زندگی کو سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالیں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری کے احساس سے ہمارے دل آشنا ہو جائیں۔ اگر ہم نے بندوں کے حقوق میں کوتاہی اور خیانت سے کام لیا تو آخرت میں نجات و رستگاری کی تمام راہیں مسدود ہوں گی۔

صحیح مسلم کی روایت ہے۔ کہ ایک روز حقوق العباد کی اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا۔ بھلا آپ کو معلوم ہے کہ مفلس و غریب کسے کہا جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جس کے پاس دولت نہ ہو۔ عیش و عشرت کے وسائل نہ ہوں اور فاقے کرنے پر مجبور ہو ہم ایسے شخص کو غریب کہتے ہیں۔

فرمایا۔ نہیں۔ آپ نے مفلس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بروزر قیامت ایک شخص بے شمار اعمالِ صالحہ کے ساتھ بارگاہِ الہی میں پیش ہوگا لوگ اس کے اعمالِ حسد کی کثرت پر رشک کٹنا ہوں گے اور ہر شخص کو اس کی کامیابی کا یقین ہوگا۔ اتنے میں ایک شخص آگے آئے گا دربارِ خداوندی میں شکایت پیش کرے گا۔ یا اللہ! اس شخص نے دنیا میں میرے فلاں فلاں حقوق تلف کر ڈئے تھے میں اپنی کمزوری کی بنا پر اس سے اپنے حقوق واپس نہ لے سکا۔ اب میں آپ کی بارگاہِ عالیہ میں انصاف کا طالب ہوں۔ شکایت کنندہ کو اس شخص کے اعمالِ صالحہ سے بقدرِ حقوقِ اعمال دے ڈئے جائیں گے، اسی طرح اور بھی کئی مدعی اپنے اپنے دُعاویٰ لے کر حاضر ہوں گے اور اس کی تمام نیکیاں تلف شدہ حقوق کے معاوضے میں لے جائیں گے۔ اور اس شخص کو جہنم میں دھکیں دیا جائے گا۔ فرمایا عزیز تو یہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں اِنَّ دُسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَغْفِرُ لِلشَّاهِدِ كُلِّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنَ (مسلم) ملاحظہ فرمائیے کہ شہادت فی سبیل اللہ جیسا عظیم عمل بھی حقوقِ العباد میں کوتاہی کو معاف نہیں کر سکتا۔

سیرتِ طیبہ سے دوسرا قیمتی سبق یہ ملتا ہے کہ ہمارے دل حلت و حرمت کے امتیاز سے شناسا ہوں۔ اسلام نے کسبِ حلال کو اعلیٰ و ارفع عمل قرار دیا ہے اور رزقِ حرامِ اجتناب کی سخت تاکید کی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اِنَّ دُسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ۔ یعنی وہ انسانی جسم جنت میں داخل ہونے کے قابل نہیں جس کا گوشت پوست رزقِ حرام سے پروان چڑھا ہے اور جس کی رگوں میں حرام غذا سے پیدا شدہ خون گردش کر رہا ہے اسلام نے تو مشکوک اشیاء سے احتراز کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیسرا سبق یہ اخذ ہوتا ہے کہ ہم فرائضِ منصبی کی کما حقہ نگہداشت کریں۔ دینی۔ قومی اور ملکی فرائض کی انجام دہی میں غفلت بستی اور لاپرواہی سے کام نہ لیں۔ اگر ہم فرائض کی بجا آوری میں تباہی و تباہی سے کام لیتے ہیں تو وہ تنخواہ ہمارے لئے لئے حلال نہیں رہتی جو ہم قومی خزانے سے وصول کرتے ہیں۔

ہم اپنے وطن اور اپنی ملت کو اسی صورت میں شاہراہ ارتقاء پر گامزن کر سکتے ہیں کہ ہم تفویض شدہ امور کی تکمیل کے لئے پوری جانفشانی، تندہی اور اخلاص سے کام کریں ملک و ملت کے ارتقاء اور محافظت کی ذمہ داری ہم میں سے ہر فرد پر عاید ہوتی ہے اور ہم قول و فعل میں سچے مسلمان بن کر ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔

میں اللہ رب العزت کی بارگاہ عالیہ میں التجا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ روٹے زمین پر بسنے والے تمام مسلمانوں کو سچا اور حقیقی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ کتاب سنت کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی سعادت سے نوازیں۔ اور ہر قسم کی برائیوں سے اجتناب کی ہمت سے بہرہ ور فرمائیں۔ خدا کرے ہماری زندگی کا ہر پہلو خواہ دینی ہو یا دنیوی، عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے۔ اعمال سے متعلق ہو یا اخلاق سے سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ سانچے میں ڈھل جائے اللہ تعالیٰ ہمیں اقامتِ صلوٰۃ کی توفیق عنایت فرمائیں اور اعمالِ بد سے بچائیں تاکہ بروزی قیامت اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔

اللہ رب العزت تمام عالمِ اسلام کو استحکام نصیب فرمائیں اور ہمارے محبوب وطن پاکستان کی خصوصاً حفاظت فرمائیں اور اس وطن کی سرزمین میں ہر طرف سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ نمونے جگمگ جگمگ کرتے نظر آئیں۔ آمین یا اللہ العالمین۔

وما علینا الا البلاغ

# حضور اکرم - مرثیہ و مرثیہ

(ڈاکٹر خالد علوی شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی)

انبیاء کی بعثت کا مقصد نفوس انسانی کی تربیت و تزکیہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے جو دعا فرمائی اس میں آپ کی بعثت کی اصلی غرض و غایت تزکیہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اے ہمارے رب! تو ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

خالق کائنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور مقاصد کا حوالہ ان الفاظ میں دیا۔

چنانچہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہی میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

اسی طرح سورہ جمعہ میں آپ کی بعثت اور اس کے اغراض و مقاصد کا حوالہ دے کر بنی اسمعیل پر ان

الفاظ میں احسان جنایا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ  
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَ  
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا  
مِن قَبْل لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

وہی خدا ہے جس نے امیوں (بنی اسمعیل) میں انہی میں ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک اس سے پہلے وہ کھلی ہوتی گمراہی میں تھے۔

گر ان آیات میں تزکیہ کے ساتھ دوسری چیزیں بھی شامل کی گئی لیکن انہیں غایت و مقصد نہیں کیا جاسکتا وہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ یعنی تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کی وجہ سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ تزکیہ کے لفظی معنی پاک و صاف کرنا، نکھارنا، میں کچیل ڈور کرنا ہے۔ قرآن پاک نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے، کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے نکھار کر صاف ستھرا کیا جائے۔ یعنی اس آئینے کے رنگ کو دور کر کے اس میں صیقل و جلا پیدا کر دی جائے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں!

قسم ہے نفس اور جیسا اس کو ٹھیک کیا،  
پھر اس میں اس کی بدی اور نیکی الہام کر  
دی۔ بے شبہ جس نے اس نفس کو صاف  
ستھرا بنا یا وہ کامیاب ہوا اور جس نے  
اس کو مٹی میں ملایا وہ ناکام رہا۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا  
وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ  
خَابَ مَن دَسَّاهَا ۝

دوسری جگہ فرمایا۔

بے شبہ وہ جتیا جس نے اپنے آپ کو پاک و  
صاف کیا اور اپنے رب کا نام لیا اور نسا  
پڑھی۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ  
فَصَلَّىٰ ۝



قرآن مجید میں اس بات کی بھی صاف تصریح موجود ہے کہ تزکیہ ہی وہ اصل کام ہے جس کے لئے لوگوں کو نبی سے رجوع کرنا چاہیے اور نبی کا فرض ہے کہ جو لوگ اس غرض سے ان کے پاس آئیں ان سے صرف نظر نہ کریں۔ ایک موقع پر نبیؐ نے بعض اسباب کی بنا پر ایک طالب کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی تو ارشاد ہوا۔

انہوں نے تیسری چڑھائی اور رخ پھیرا کہ ان کے ہاں نابینا آیا۔ آپ کو کیا معلوم شاید وہ تزکیہ حاصل کرنے آیا ہو۔

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اِنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا يَدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزْكٰى ۝

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ نبی خلقِ خدا کے نفوس کا تزکیہ کرنے آتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ضمن میں تزکیہ ہی کو اصل مقصد قرار دیا ہے۔ فرمایا :-

فرعون کے پاس جائیں وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس سے کہیں کہ ترے اندر کچھ رغبت ہے کہ تو تزکیہ حاصل کرے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى فَقُلْ هَلْ لَكَ اِلٰى اَنْ تَزْكٰى ۝

سورۃ الشمس اور سورہ الاعلیٰ کی متذکرۃ الصبر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کی نجات و فلاح کا انحصار تمام تر اس بات پر ہے کہ اس نے کہاں تک نفس کا تزکیہ کیا ہے۔ انسانیت آج جن حالات سے گزر رہی ہے اور جن مسائل سے دوچار ہے وہ اتنے خطرناک ہیں کہ کس لمحے بھی پورا انسانی وجود مٹ سکتا ہے۔ موجودہ عالمگیر مادہ پرستانہ تہذیب کے ظاہر فریب پر دلوں کے پیچھے جھانک کر انسانیت کا جائزہ لیجئے تو وہ حال زار سامنے آتا ہے کہ رُوح کانپ جاتی ہے۔ پوری اولاد آدم کو چند خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے اور ہر طرف دولت و اقتدار کے لئے ہاتھ پائی ہو رہی ہے۔ آدمیت سے اخلاقی شعور کی مشعل گل ہے۔ جرائم تمدنی ترقی کے ساتھ تیزی سے بڑھ رہے ہیں نفسیاتی الجھنوں کا زور ہے۔ اور ذہنی سکون یکسر غائب ہو چکا ہے۔ انسانی ذہن و کردار میں ایسا بنیادی فساد آ گیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی منہوس پر چھائیں سے محفوظ نہیں رہا۔ فلسفہ و حکمت سے سچائی کی روح کھو گئی ہے، اعتقادات و نظریات

میں توازن نہیں رہا۔ روحانی قدیریں چوڑھٹی ہو گئی ہیں۔ قانونِ روح عدل سے خالی ہو رہا ہے۔ سیاست میں جذبہ خدمت کی جگہ اغراض پرستی گھس گئی ہے، ہمیشہ میں ظالم و مظلوم طبقے پیدا ہو گئے ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں جمال کی ساری رنگ آمیزیاں جنسی جذبوں اور سفلی خواہشوں سے کی جانے لگی ہیں۔ عقل ترقی کر گئی ہے مگر اس کی حماقتیں ہمارے درپٹے آزار ہیں، علم کے سوتے ابل رہے ہیں مگر اس کی پروردہ جہالتوں کے ہاتھوں آدم زاد کا ناک میں دم ہے۔ دولت کے خزانے ہر چہار طرف بکھرے پڑے ہیں مگر خالی مخلوق بھوک، ننگ اور محرومی کے عذاب میں گھری ہے۔ ہزار گونہ تنظیمیں اور سیاسی ہیتیں، نظریاتی وحدتیں اور معاہداتی رابطے نمودار ہیں مگر انسان اور انسان کے درمیان بھائی بھائی کا تعلق نہیں چیتے اور بھیرے کا سا معاملہ ہے۔ عقلی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی شعور کی ترقی کے چرچے ہیں مگر ظلم و تشدد کے انتہائی ناپاک حربے آج بھی انسانیت کے خلاف کام میں لائے جا رہے ہیں۔

اس صورت حال کا سطحی جائزہ بھی ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ اس سارے ڈرامے، سبب اس کے اصل کردار حضرت انسان کی بے تربیتی ہے۔ حکومتیں، تنظیمیں، منظم معائنہ فروری کے وجود سے تشکیل پاتے ہیں۔ فروری وہ اکائی ہے جو سارے بناؤ بگاڑ کا ذمہ دار ہے۔ فروری کو چون میں پھر رہا ہو یا مسند اقتدار پر فائز، مجرم کے کہڑے میں کھڑا ہو یا کسی عدالت پر، اپنی ذات کا تحفظ کر رہا ہو یا نظام اجتماعی کو مستحکم کرنے میں مصروف، یہ انسانیت کی فردیت ہی ہے جو مختلف صورتوں میں جلوہ گرہ ہوتی ہے۔ پنہیرانہ طریق کار کی عظمت ہے کہ اس میں فرد کی بنیادی اہمیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کی شخصیت کی تعمیر اور اس کی ذات کی اصلاح کو دعوت کا بنیادی پتھر قرار دیا۔ فرمان الہی ہے

جو کوئی راست روی اختیار کرے اس کے  
اپنے لئے ہی مفید ہے اور جو گمراہ ہو اس کی  
گمراہی، وبال اسی پر ہے کوئی بوجھ اٹھانے  
والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ  
وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ  
وِازِرَةً وِزْرًا خُورَىٰ - ۲۷

اسی بات کو ایک اور جگہ دوسرے پیرائے میں بیان فرمایا۔

لے محسن انسانیت ص ۶۷ لے القرآن ص ۱۱۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ  
لَا يَصُرُّكُمْ مَن صَلَّ إِذَا أَهْتَدَيْتُمْ  
إِلَى اللَّهِ مَرْجِعَكُمْ جَبِيعًا فَيَنْبِتْكُمْ  
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ

اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر انہی جان کا۔  
تمہارا کچھ نہیں بگاڑنا جو کوئی گمراہ ہوا جب تم  
راہ پر ہو۔ تم سب کو اللہ کے پاس لوٹ کر  
جانا ہے پھر وہ تمہیں بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے  
تھے۔

بہترین افراد ہی کے مجموعے سے بہترین معاشرہ وجود میں آتا ہے اور معاشرے کی اعلیٰ تنظیم  
ہی سے فلاحی ریاست وجود میں آتی ہے۔ فرد کی اصلاح ہر معاشرے کی اصلاح کا دار و مدار ہے  
اور فرد ہی کی تربیت و تزکیہ سے پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ انسانی زندگی کے لئے ممکن نمونہ  
کی حیثیت رکھنے والے پیغمبر اسلام نے فرد کے تزکیہ اور تربیت کا اہتمام کیا؛ اور حیات انسانی  
کی اس اکائی کی طرف کیسے توجہ دی۔ پیغمبر انسانیت نے وہ کونسا طریق کار اختیار کیا جس سے ایسے  
اولوالعزم لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ انسانی کا رخ موڑ دیا۔ وہی طریق کار آج بھی ہماری اصلاح حوال  
کا ضامن ہو سکتا ہے اور اسی رہنمائی کے سہارے ہم آج بھی انہی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تاریکیاں  
دور کر سکتے ہیں۔

پیغمبرانہ طریق تربیت و تزکیہ بیان کرنے سے پہلے نفسیات و اخلاق کے ایک مسلمہ قانون کا بیان  
کر دینا مناسب ہو گا کہ "افکار ہی سے اعمال کا صدور ہوتا ہے، اعمال ہی کے تکرار سے عادت کا قیام ممکن  
ہے اور عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔ سیرت ان تیقنات، عادات و  
میلانات کا مجموعہ ہے جو فرد کے کردار کی رہنمائی کرتا ہے، اس کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور اس کی  
وحدت کردار کا باعث بنتا ہے۔ سیرت کی تحلیل میں ہمیں اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہ عادات کی تنظیم کا  
نام ہے۔ عادت کی تشکیل رمضان کی تکرار سے ہوتی ہے، انصاف کا صدور بظاہر محرکات پر مبنی ہوتا ہے  
لیکن محرکات کا ماخذ و منبع وہ تیقنات و اذعانات ہوتے ہیں جو انسانی زندگی کے تجربات، ماحول کے  
اثرات، تعلیم اور دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ علم و یقین عمل و عادات یہ وہ اہم عناصر ہیں جن  
میں سیرت کی تحلیل کی جا سکتی ہے۔ انبیاء سے بڑھ کر انسان شناس کون ہو سکتا ہے کہ وہ قوی تر

۱۵: ۵ - القرآن اور تعمیر سیرت ص ۱۵

اور مصطفیٰ ترین بصیرت کے علاوہ ہر وقت علم الہی کی رہنمائی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ لہذا تعمیر شخصیت اور تصفیہ باطن کے لئے ان کا دیا ہوا پروگرام ہر زمانے میں موثر و کارآمد ہے۔

آنحضرتؐ نے دعوت کا آغاز ایک ایسے معاشرے میں کیا جو مذہبی طور پر توہم پرست سیاسی طور پر غیر منظم، معاشی اعتبار سے لوٹ کھسوٹ کرنے والا خود غرض اور اجتماعی حیثیت سے ظالمانہ تفریق و امتیاز پر مبنی تھا۔ حب ذات، حب مال، حب جاہ اور لذائذ دینا سے تمتع ہی وہ مقاصد تھے جن کے لئے ہر شخص کو شال تھا۔ ایسے میں ایک چونکا دینے والی آواز آتی ہے، ایک انقلابی پیغام پہنچتا ہے اور دلوں کو مسخ کرنے والی ایک دعوت ظاہر ہوتی ہے۔ توہم پرستانہ ماحول میں اٹھنے والی اس دعوت کے داعی کے سامنے ایک واضح پروگرام تھا۔ اور یہ پروگرام ایک لمحے کے لئے بھی داعی کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔ نبی کریمؐ نے آغاز نصب العین کے تعین سے کیا کیونکہ نصب العین کا تعین ہی فکر انسانی کو صحیح رخ دیتا ہے۔ فکر صحیح سے عمل صالح کی بنیاد اٹھتی ہے اور اعمال صالحہ کی تنظیم شخصیت کو دلنواز بناتی ہے۔ ترجیحات کی یہ ترتیب ہر دور میں یکساں رہی ہے جس طرح باطل نے ہر دور میں فساد و فکر و عمل کے راستے سے دعوت حق کو روکا ہے اسی طرح تزکیہ و تربیت اور اصلاح و تطہیر کا عمل بھی فکر و عمل ہی کے راستے سے ہوا ہے۔ پیغمبرانہ طریق کار ایسا سکیمنا طریق کار ہے جو کبھی OUT OF DATE نہیں ہوتا۔ اسے جب کبھی منطبق کرنے کی سعی کی گئی ہے وہ تازہ بہ تازہ نوبہ نو کی صورت میں نظر آیا ہے۔ علامہ مرحوم نے عصر حاضر کی پیچیدگیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ٹھیک ہی تو کہا تھا ہے

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحسوس دل کی

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

اس طریق کار پہلا قدم نصب العین کا تعین ہے ختمی مرتبت نے اس اُلجھے ہوئے معاشرے کو نہ صرف صحیح نصب العین دیا بلکہ اس کے لئے علم و یقین کی بنیادیں فراہم کیں۔ نصب العین کا درست انداز ہی انسانی شخصیت کو وہ بنیاد عطا کرتا ہے جس کے باعث اس کی پوری زندگی ایک مربوط مفید، منظم اور نفع بخش صورت اختیار کر لیتی ہے۔ رسول اللہؐ نے توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کو واضح کرتے ہوئے اس وقت کے انسانوں کے واسطے سے یہ سمجھایا کہ انسان اس

کائنات کا مالک و حاکم نہیں بلکہ خالق و مالک اور حاکم مطلق رب کا خلیفہ اور روئے زمین پر اس کا نائب ہے۔ اس نائب کی حیثیت سے اس کا نصب العین یہ ہے کہ وہ جس کا نائب ہے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرے اور اس کی نظر میں ایک اچھا و فاضل و وارث مندین اور فرض شناس ملازم قرار پائے ایک اچھے اور نیک نیت آدمی کی حیثیت میں اسے اپنے آقا کی خدمت بجالانے اور رضا حاصل کرنے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں بنانا چاہیے۔ اس کا صلہ وہی ہے جو اسے مالک کی اطاعت و وفایں ملتا ہے۔ آپ نے ذاتی و دنیوی مقاصد کی جگہ ایک مؤثر نصب العین دیا۔ یعنی اللہ کی ذات پر ایمان و ایقان اور اس کی رضا کا حصول اور اس طرح ان تمام مفسدات کی جڑ کاٹ دی جن کی وجہ سے معاشرہ جہنم بن جاتا ہے۔ قرآن و سنت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نصب العین کو ذہن نشین کرانے اور قلب و روح میں بٹھا دینے کے لئے پوری کوشش کی گئی ہے اور اس کے سوا ہر دوسرے مصلح نظر کا پورے زور کے ساتھ ابطال کیا ہے۔ قرآن کا طالب علم جب اس مسئلہ پر ماسایب کا متوجع دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے مثلاً۔

آپ کہہ دیں کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَ  
مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ  
وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ لَهُ

پھر فرمایا :-

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں جن کے معاوضے میں ان کے لئے جنت ہے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ  
وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ بِهِ

اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو اپنی جان کو  
اللہ کی خوشنودی کی خاطر بیچ دیتا ہے اور  
اللہ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ  
مَرْضَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ رِزْقَ رَبِّكَ بِالْعِبَادِ ۙ

کتب احادیث میں آنحضرت کے بیشتر اقوال موجود ہیں جن میں تعلق باللہ اور رضا الہی کے  
حاصل کرنے  
حصول کی دعوت ملتی ہے۔

سفیان بن عبد اللہ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ  
انہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا:

عن سفیان بن عبد اللہ الثقفی قال

قلت يا رسول الله قل لي في الاسلام

قولا لا اسأل منه احدا بعدك قال

قل: امنت بالله ثم استقيم ۲

یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی  
بات بتائیں کہ آپ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں  
آپ نے فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس  
پر جم جاؤ۔

عن ابی موسیٰ الاشعری قال جا رجل

الی النبی فقال الرجل یقاتل للمغنم

والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل

لیبری مکانہ فمن فی سبیل اللہ؟ قال

من قاتل یتکون کلمة اللہ ہی العلیا

فہو فی سبیل اللہ ۳

ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ  
کے پاس حاضر ہوا کہ بولا اور کوئی شخص مالی  
غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے  
کوئی شہرت و ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے  
کوئی انہی پہا دروں دکھانے کے لئے جنگ کرتا  
ہے، فرمائیے کہ ان میں سے کس کی جنگ راہ  
خدا میں ہے، حضور نے جواب دیا کہ راہ خدا  
کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض اللہ  
کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے۔

اللہ کی معرفت اور اس کی رضا کا حصول تو بہت نبوی کا پہلا سبق ہے۔ اس کے سوا

۱۔ القرآن ۲: ۲۰۴ سے مشکوٰۃ، کتاب الایمان: ۱۲ سے بخاری کتاب الجہاد، باب من قاتل

لنكون كلمة الله هي ۱۲، ۲۵، مسلم کتاب الجہاد ۶: ۲۶۔

پر ہی ایمان و عمل کی ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہونے والا شخص یہ رسوخ و طریقوں سے حاصل کرتا تھا۔ ایک استدلالی طریقہ اور دوسرا توجہ رسالت۔ رسول اللہ نے عقلی تجربی و شہادتی دلائل سے توجید الوہیت و توجید ربوبیت کو پیش کیا اور روحانی توجہ سے مومنین کے قلوب و اذہان کو ثبات استحکام حاصل کرنے میں مدد دی۔ یہ گونا گوں عالم، یہ رنگا رنگ کائنات، یہ تاروں بھرا آسمان، یہ بوقلموں زمین، یہ سورج چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ لاکھوں جاندار و بے جان اشیاء، یہ علل اور سبب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی قومی اور ان کی باہمی ترتیب موت و حیات کے اصرار، خواص و قوی کے رموز انسان کی خیالی بلند پروازی اور عملی عجز و درماندگی یہ باتیں ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں۔ رسول اللہ نے ان تجربی و شہادتی دلائل کو وحی کے حوالے سے اس طرح بیان فرمایا کہ تسلیم و ایقان کے بغیر چارہ ہی نہ تھا:-

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ  
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَانْفِلَاقِ السَّحَابِ تَجْوِيذٌ فِي  
الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ  
مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَخْبَاهِ الْاَرْضَ بِحَدِّ  
مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَ  
تَصْرِيْفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ  
السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

بے شبہ آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے الٹ پھیر میں اور ان جہازوں میں جو انسانوں کے لئے فائدہ رساں سامان لے کر سمندر میں چلتے ہیں، اور آسمان سے اس کے پانی برس نے میں اور پھر اس پانی کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشنے میں اور زمین میں ہر طرح کے رنگ پھیلانے میں اور ہواؤں کے کبھی ادھر اور کبھی ادھر بہنے میں اور آسمان و زمین کے درمیان بادل کام میں لگے ہیں۔ ان سب میں سوجھ بوجھ والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

پورا قرآن عقلی و شہادتی دلائل سے بھرا پڑا ہے جن کے ذریعے ایک صاحب انسان درست فکر حاصل کر سکتا ہے۔ پھر آفتاب نبوت کی موجودگی ایمان و یقین و محکم کرنے کا بے شبہ ذریعہ تھی۔

فیض نبوت سے وہ روشنی ملتی تھی کہ قلوب مُصفا و پاکیزہ رہے حضرت حنظلہ نے اعلان کر دیا، کہ  
ذائق حنظلہ حنظلہ منافق ہو گیا کیونکہ صحبت رسول میں دل کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ غیر جانبری کی  
صورت میں نہیں ہوتی۔ انہیں تسلی دی گئی کہ یہ نفاق کی علامت نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ مومن کی عام زندگی  
اور بارگاہ رسالت میں حضوری کے درمیان کتنا امتیاز ہے۔

نصب العین کے یقین سے فکر صحیح کی بنیادیں مستحکم کی گئی۔ معرفت الہی، جو ابد ہی کا احساس  
اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خودشنودی کے لئے جاں سپردگی کا شعور پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے فرد کی  
عملی زندگی کی طرف توجہ فرمائی ایشار و نفع رسانی کی صفات سے منصف کیا کون نہیں جانتا کہ عملی زندگی میں  
سب سے مہلک چیز انسان کی خود غرضی خود پسندی ہے۔ تمام اخلاقی رذائل کسی نہ کسی طرح انسان  
کی خود غرضی و خود پسندی سے آتے ہیں۔ انسان کا حسد، اس کا بخل، کبر، ظلم، بغاوت، حرص و طمع  
بعض و کینہ، خیانت و بددیانتی فضول خرچی و رشوت خوری، خوشامد و غیبت سب کچھ نفسی تسکین کی  
خاطر ہوتا ہے۔ رسول اللہ نے اس کا علاج ایشار و نفع رسانی سے کیا

مسلمانو! اللہ عدل و احسان کرنے کا اور قربت  
والوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحشاء و منکر  
اور بخی سے منع فرماتا ہے تم لوگوں کو نصیحت کرتا  
ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ  
ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ  
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٩٠

یہ آیت تعمیر سیرت کا مکمل پروگرام ہے اور ہر قسم کے فضائل و رذائل کو محیط ہے۔ حضرت  
عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ پہلے میں رسول اللہ کی شرم و حیا سے اسلام لایا تھا۔ اسلام نے میرے  
دل میں پوری جگہ نہیں پکڑی تھی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایمان میرے دل میں راسخ ہو گیا۔ آنحضرتؐ  
نے فرد کی عملی تربیت کے لئے دو چیزوں کی طرف خصوصی توجہ فرمائی ایک عبادت اور دوسرے خدمت  
خلق۔ عبادت کے ذریعے قرب الہی کا احساس اور جو ابد ہی کے تصور کو پختہ کرنا اور خدمت خلق کی  
وجہ سے فرد کے اندر یہ احساس پیدا کرنا کہ اس کا اصل کام نفع بخشی و فیض رسانی ہے۔ اس کے ذریعے

لے القرآن ۱۶: ۹۰۔ ۷۷ مسند احمد عن ابن عباسؓ



ایشار و قربانی کا بے نظیر جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں سرفہرست مالی ایثار ہے اس سے فرد کے اندر ایسا انقلاب آتا ہے کہ وہ مفاد پرست معاشرے میں اس طرح منفرد و ممتاز نظر آتا ہے جیسے مٹی کے ڈھیر میں سونا چمکتا دکھائی دے حضور اکرمؐ نے جذبہ ایثار کی آبیاری کر کے فرد کے اندر سے مفاد پرستانہ رجحانات کا قلع قمع کر دیا قرآن و سنت میں ان مثالی انسانوں کے جذبہ ایثار کی بے نظیر مثالیں موجود ہیں قرآن پاک میں مومن و کافر کے امتیازات بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

مگر وہ گھائی پر ہو کر نہ گزرا اور تم کیا سمجھے کہ گھائی کیا ہے؟ کسی کی گردن چھڑانا، یا بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم رشتہ دار یا فقیر خاکسار کو پھر ان لوگوں میں بھی داخل ہو جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت اور (لوگوں) پر شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے یہی لوگ صاحب سعادت ہیں۔

فَلَا اتَّخَمَ الْعُقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا  
الْعُقَبَةُ فَكَ رَقَبَةٍ أَوْ اطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي  
مَسْخَبَةٍ يَتِيماً ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مَسْكِيناً ذَا مَتْرَبَةٍ  
ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ  
وَتَوَاصَوْا بِالرَّحْمَةِ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
الْمَيْمَنَةِ ۚ

وہ جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس سے بچا لیا جائیگا جو مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو اور اس لئے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اُتارتا ہے بلکہ خداوندِ اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جائیگا،

وَسَيَجْزِيهَا الْآلُفَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ  
يَتَزَكَّىٰ ۚ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ  
تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءً وَجْهَ رَبِّهِ الْأَعْلَى  
وَلَسَوْتَ يَرْضَىٰ ۚ

اس آیت میں مالی قربانی کو تزکیہ کیا گیا ہے۔ یہ کئی آیات ہیں اور ان میں جن اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق جس معاملہ اور مالی ایثار سے ہے۔ یہ حضورؐ کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب بحرین فتح ہوا تو انحضرتؐ نے انصار کو بلا کہ فرمایا کہ میں اہل کو انصار کی جاگیروں میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ ان ایثار کے پیکر و نمونہ کی جن تک ہمارے ہاں جہاں جہاں کو بھی اتنا ہی نہ ملے ہم کو یہ منظور نہیں ہے۔

ایک دفعہ ایک بھوکا آدمی رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا۔ کا شانہ نبوی میں اس وقت پانی

کے سو اچھ نہ تھا، اس لئے آپ نے فرمایا۔ جو شخص آج کی رات اس کو اپنا مہمان بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ یہ سعادت ایک انصاری کو حاصل ہوئی اور وہ اس کو اپنے گھر لے گئے۔ بری سے پوچھا گھر میں کچھ ہے؟ بولیں صرف بچوں کا کھانا، کہا بچوں کو سلا دو اور چراغ کو بجھا دو۔ ہم دونوں رات بھر بھوکے رہیں گے البتہ مہمان پر ظاہر کریں گے کہ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک پر بہت خوش ہوا ہے

بعض روایات کے مطابق سورہ حشر کی آیت کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف ہے۔

اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو ان مہاجر بھائیوں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٢

نصب العین سے وابستگی اور ایثار و نفع رسانی سے انصاف کی جو تربیت رسول اللہ ﷺ

نے فرمائی اس سے افراد کا ایک ایسا گروہ تیار ہوا جو قیامت تک کے لئے مثالی کردار متصور ہوتا رہے گا یہ امر واضح ہے کہ یہ سب کچھ اس بے مثل مزگی و مرقی شخصیت کا فیض تھا۔ تربیت پانے والے ہر لمحہ اپنے مزگی و مرقی کی شخصیت کو سامنے رکھتے اور اس سے عرفان و عمل کا فیض حاصل کرتے۔

آج ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ان افراد کا حصول ہے جو معرفت الہی کے حامل اور ایثار پیشہ و نفع رساں ہوں۔ نفسا نفسی اور کشاکش کے اس دور میں فیض نبوت سے مستنیر ہونے والے باصلاحیت افراد مہیا ہونے سے ہی اس ملت کی مشکلیں دور ہو سکتی ہیں۔ وہ دل مطلوب ہیں جو ذکر الہی سے منور، حب رسول سے معمور اور خلق خدا پر شفقت و رحمت کے جذبہ سے سرشار ہوں۔ تربیت نبوی سے فیض یابی کے لئے آمادہ اور اسلامی سیرت کے ولدا وہ افراد ہی کے وجود سے وہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ جو ہم انفرادی و اجتماعی زندگی میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اقبال کی

اس آرزو پر بات ختم کرتا ہوں ہے

دلوں کو مرکز مہر و دفا کر  
جنہیں ناناں جوہی بخششی ہے تو نے  
حریم کبریا سے آشنا کر  
انہیں بازوٹے حیدر بھی عطا کر

## مراجع

### القرآن الکریم

۱۳۵۸/۱۹۳۹	مصطفیٰ البابی مصر	احیاء علوم الدین	امام غزالی
۱۹۵۴	مصطفیٰ البابی	الجامع الصحیح	النجاری، محمد بن اسماعیل
	اصح المطایع دہلی	مشکوٰۃ المصابیح	خطیب التبریزی
	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور	تفسیر القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی
	اسلامی تہذیب اور اس کے اصول مبارک اسلامک پبلیکیشنز ۱۹۶۵		" " "
۱۳۸۲/۱۹۶۲	اعظم گڑھ ہند	سیرۃ النبیؐ	سید سلیمان ندوی
۱۹۵۴	محمد علی واو لادہ	الجامع الصحیح	مسلم بن الحجاج
۱۹۶۱	ملک برادرزہ - لاٹھور	تزکیہ نفس	مولانا امین احسن اصلاحی
۱۹۶۰	مکتبہ رحمانیہ سرگودھا	محسن انسانیت	مولانا نعیم صدیقی
۱۹۶۴	ندوۃ المصنفین دہلی	قرآن اور تعمیر سیرت	میر ولی الدین

# حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

سب کے، اور سب کے لئے

(حافظ نذر احمد، پرنسپل شیلی کالج - لاہور)

دنیا کے کچھ محسن

دنیا میں ہزاروں لاکھوں بڑے انسان ہوئے ہیں، جن کی بدولت نوع انسانی زیادہ بہتر اور زیادہ طاقتور، زیادہ باشعور، اور زیادہ ترقی یافتہ بنی۔ ان میں افلاطون، ارسطو، کانٹ، ابن رشد اور غزالی جیسے فلسفی، نیوٹن، ڈارون اور آئین سٹائن جیسے سائنسدان، گونٹے، شکسپیئر، رومی، اور اقبال جیسے شاعر، میکسیم گورکی، ٹاکسٹائی اور برنادٹشا، شیخ سعدی جیسے ادیب۔ اور متعدد دیگر نہاد حکمران، فاتح، مقنن، مصلح اور دوسرے سب ہی طرح کے عظیم المرتبت لوگ شامل ہیں۔ ان سب نے اپنے اپنے رنگ میں نوع انسانی کی خدمت کی۔

شاعر نے اپنے حسنِ تخیل، اور ذوقِ نظر کی جولانیاں دکھا کر دنیا کو کیفیت و سرور بخشا۔ فلسفی نے اپنی عقل رسا سے موت و حیات کی گتھیاں سلجھا کر ذہن انسانی کی پیاس بجھائی اور اسے جلا بخشی۔ سائنسدان نے فطری قوتوں کی تسخیر کر کے اور نئی ایجادوں سے دھرتی کی جھولی بھردی۔ ادیب اور فنکار نے معاشرہ کی خرابیوں کی نشاندہی کی۔ حکمران اور فاتحین نے نئی سرحدیں کھولیں اور قوموں کو نئے میدانوں سے روشناس کرایا۔ مقنن اور مصلحین نے زندگی کے نظم و ضبط اور اخلاق و اقدار کی اصلاح کی سائیں دکھائیں۔ بلاشبہ ان حضرات کی مساعی اس کرۂ ارضی پر بسنے والوں کی بہتری اور بھلائی کا باعث ہوئی۔

انبیاء و رسل اصل محسن

لیکن ان سب کے سوا، اور ان سب سے بلند تر اللہ کے برگزیدہ بندوں، انبیاء و رسل کا گروہ

ہوا ہے جو نوع انسانی کا اصل محسن ہے۔ جس کے احسانات اولادِ آدم پر ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ یہ حضرات ان سب سے منفرد اور عظیم ہیں۔ اگر تمام انسانی مساعی نے تصویرِ حیات کی نوک پلک درست کی ہے، اور اس کو آبِ درنگ دے کر جاذبِ نظر بنایا ہے، تو یہ صرف اور صرف اللہ بزرگ و برتر کے ان بزرگزیدہ بندوں کا گروہ ہے جس نے اس تصویر میں جان ڈال کر اسے جذبِ دروں بختا ہے۔ اگر اس مقدس جماعت کے پاک بندے مبعوث نہ ہوتے تو نوعِ انسانی کو شاید چلنا تو آتا، مگر اس کے قدم صحیح چہت اور منزل سے کبھی آشنا نہ ہوتے۔ اس کی آنکھیں دیکھ تو سکتیں، مگر صرف سطحی اور اوپر کی چیزوں کو۔ اس کے کان سن تو لیتے مگر بھدے اور عارضی سروں کو۔ کائنات کے حقیقی آہنگ کے لطف اندوز ہونے اور حُسنِ عام کے جلووں سے فیضیاب ہونے کا سلیقہ اس معصوم اور بزرگزیدہ گروہ نے سکھایا ہے۔

نبی اور رسول ہر دور میں آئے، ہر قریب و بستی میں آئے، ہر زمانہ میں اُن کی آمد ہوئی، اور ہر قوم میں اُن کی بعثت ہوئی جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے۔ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (طہر عدد ۱۳: ۸) وَ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا اَخْلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۲۵: ۲۴) ان کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں سے بڑھ کر ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ ان سب پر اللہ کا درود و سلام ہو۔ ان کا آنا بڑا ضروری اور نہایت مبارک تھا، کہ وہی اپنے دور کے رہنما، اور اپنی قوم کی کشتی کے کھویا تھے۔ وہ اپنے لوگوں کی ہدایت اور فوز و فلاح کے لئے روشنی کا مینار تھے، دنیا اور آخرت کی سعادتیں ان کو قبول کرنے اور ان کے پیروی کرنے سے وابستہ تھیں۔

## سب جانے کو آئے

لیکن کیا کیجئے، جو بھی آیا وہ جانے کے لئے ہی آیا۔ ہر آنے والے کے لئے جانا مقدر تھا حکمتِ الہی ہی کچھ ایسے تھی۔ ایک کا کام ختم ہوا تو دوسرے کا زمانہ آگیا۔ لیکن وہ ایسے گئے کہ اکثر و بیشتر کے نشانِ پا اور آثار تک باقی نہ رہے اُن کی اپنی اقوام نے انہیں ایسے کھویا کہ اُن کے تذکرے بھی بھلا دیئے۔ اُن کے صحیفے اور کارنامے تو بڑی بات ہیں۔ اُن کے اسمائے گرامی تک یاد نہ رکھے۔ وہ جو اپنے اپنے ادوار میں روشنی کے مینار تھے اور ہدایت کی شمع تھے۔ آج ان

ایک لاکھ بیس ہزار میں سے محدودے چند کے سوا باقی کے نام تک کسی کو معلوم نہیں۔ ہدایتِ سماوی کے نام سے جو چند کتابیں اور صحیفے دستیاب ہیں۔ ان کے بھی اصل نسخے موجود نہیں۔ وہ جن زبانوں میں اُترتی تھیں وہ زبان تک مٹ چکی ہیں۔

دور کی بات چھوڑیے۔ بھارت میں وید بطور ایک کتاب مقدس پڑھی جاتی ہے لیکن اس کے بارہ میں کوئی نہیں بتلاتا وہ کس پر یا کن پر اُترتی تھی؟ کہاں نازل ہوئی تھی؟ اس کی زبان کیا تھی؟ کس زمانہ میں اس کا نزول ہوا تھا؟ ایک وید پر کیا منحصر ہے اکثر و بیشتر کا یہی حال ہے۔

## قانونِ فطرت

قانونِ قدرت یہ ہے کہ کوئی شے جس قدر اور جتنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے اسی قدر قدرت اس کی نگہداشت کا سامان کرتی ہے۔ اور ہر شے اس وقت تک محفوظ رکھی جاتی ہے جب تک اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب نوعِ انسانی کے لئے اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا، کلام اللہ کی یہ آیت اس سنتِ الہی کی نشاندہی کرتی ہے۔

انزل من السماء ماءً فسالنا اودیه بقدرها فاحتمل السیل ذبداً  
 ذابیاً ومتا یوقدون علیہ فی النار ابتغاء حلیة او متاع زبداً مثله  
 كذلك یضرب اللہ الحق والباطل فاما الذبداً فیذهب جفاءً واما  
 ما ینفع الناس فیمکت فی الارض ۛ

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اس سے اپنے اپنے اندازہ کے مطابق ندی نالے بہنے لگے۔ پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آگیا۔ اسی طرح جس دھات کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے آگ میں بتاتے ہیں۔ اس پر بھی ایسا ہی جھاگ آجاتا ہے، سو جھاگ تو سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے، اور پانی جو نوعِ انسانی کے کام آتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔ اس طرح اللہ حق و باطل کی مثال واضح فرماتا ہے ۛ (الرعد: ۱۲-۱۴)

اس قانونِ انفع للبقا کا تقاضہ تھا کہ آنے والے حضرات انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام

پوری تہائی کے ساتھ آئے لیکن جب ان کا دوزختم ہو گیا تو وہ اذنان و قلوب سے بھی محو ہو گئے۔

## حضرت ختم الرسل کی آمد

ان سب کے بعد، سب کے آخر میں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم الرسل اور رحمۃ للعالمین بن کر آئے۔ وہ سب کے لئے آئے۔ ان کے آنے پر آنے والوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب کسی آنے والے کی گنجائش اور حاجت نہ رہی۔ اس لئے کہ سب سے بعد میں، اور سب کے لئے آنے والا جانے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ قیامت تک کے لئے رہنے کے لئے آیا۔ درود و سلام ہو اللہ کا اس پیاس کی آل اور اصحاب پر،

یہ ایک اور صرف ایک اس شان سے آیا کہ اُس کا آفتاب رسالت چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ وہ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس کا نام بلند ہوا اور بلند ہی ہوتا جا رہا ہے کہ ود فعنا لک ذکوک اُس کے لئے اُتری ہے (الانشراح ۹۴: ۴)

اس نبی اُمّی کی کتاب الفتا کن دن رات، صبح و شام، ہر آن اور ہر لمحہ پڑھی جا رہی ہے مشرق و مغرب میں شمال و جنوب میں، اپنے پرایوں میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی گئی، اور پڑھی جا رہی ہے۔ اس کا نام ہی القرآن، سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

بلا ریب یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو اوراق کے سفینوں کے علاوہ ہزاروں لاکھوں سینوں میں محفوظ ہے۔ جس کا ایک ایک جملہ، اور ہر جملہ کا ایک ایک لفظ، ہر لفظ کا ایک ایک حرف اور حرکت بجنسہ محفوظ ہے۔ اُس کی زبان عربی چودہ صدیوں کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود اسی طرح محفوظ اور زندہ و تابندہ ہے۔ ایک دو ہستیوں میں نہیں درجن بھر سے زیادہ ملکوں کی قومی اور نادری زبان ہے کسی زبان کا اس قدر مدت دید گزر جانے کے باوجود اپنی اصل صورت میں، بول چال، اور نوشت و خواند میں بجنسہ رائج رہنا بجائے خود ایک معجزہ سے کم نہیں۔ نہ صرف یہ کہ کڑوڑوں انسان اسے سمجھتے اور بولتے ہیں، بلکہ اس آخری کتاب کے پڑھنے کا لب و لہجہ تک محفوظ ہے۔ اس کی تلاوت کرنے والا کسی خطرے سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کا اپنا لب و لہجہ کچھ بھی ہو، جب وہ اس کتاب پاک کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا انداز وہی مکی، مدنی اور

حجازی ہوتا ہے۔

یہ سب کچھ اہتمام کیوں ہے؟ نہ یہ خالص انسانی کوششوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ نہ از خود حادثاتی طور پر ہوا ہے۔ بلکہ یہ مشیتِ الہی ہے اس لئے کہ سب کے آخر میں آلے والا، اور اللہ کریم کی آخری کتاب لانے والا آنے ہی کے لئے آیا تھا۔ وہ سب کا تھا اور سب کے لئے ہے۔ وہ کسی خاص قبیلہ اور قوم کے لئے نہیں آیا تھا۔ اس کا مخاطب کوئی خاص طبقہ یا ملک و ملت نہ تھا۔ اس نے یا آیتھا للناس کہہ کر نوبِ انسانی کو دعوتِ ایمان دی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمارے اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اشاروں کنایوں میں کسی کی تنقیص کر رہے ہیں، نہیں ہم کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لا نفرق بین احد من رسلہ (البقرہ ۲: ۲۸۵) ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ہم ہر نبی اور رسول کو ماننے والے ہیں، سب کی عزت کرنے پر مامور ہیں، ہماری کتاب سب پہلوں کی مُصدق اور ان سب کی مہمین ہے۔

## محمد رسول اللہ سب کے ہادی

ہادی کل، حتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب میں ہوئی، لیکن وہ عربی نہیں کہلانے! ان کا لقب رسول عرب نہیں بلکہ "رسول اللہ" ٹھہرا۔ "وہ رب العالمین" کی کتاب قرآن مجید کے کرائے جس کا ایک وصف خاص "ذکر للعالمین" ہے۔ اور خود ان کا لقب "رحمۃ للعالمین" ہے۔

قرآن مجید کا اولین خطاب پہلے پارہ کے تیسرے رکوع میں یا ایہا الناس کے الفاظ سے ہوا ہے پہلے خطاب پر کیا موقوف ہے قرآن مجید میں از اول تا آخر خطاب نوبِ انسانی سے ہے۔ کہیں بھی یا اہل مکہ یا اہل یثرب یا ایہا العرب کہہ کر دعوت نہیں دی گئی۔

اللہ بزرگ و برتر کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ۲۳ سالہ دور نبوت میں بے شمار معاشی معاشرتی، سیاسی و غیر سیاسی گونا گوں مسائل سے دوچار رہے۔ شب و روز اپنے پرالیوں کی بے شمار گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے، بقول صاحب "النبی الخاتم" ۱۳ سالہ کئی دوروں کے امتحان میں گزرا۔ اور مدنی زندگی کے دس سال کا عرصہ دماغ کے امتحان کا تھا، دشمنانِ حق کے حملے، مدافعت جنگیں اور غزوات ان کے سوا تھے۔ اس کے باوصف آپ نے اپنا فریضہ دعوت و رسالت



اقصائے عالم تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ مختلف سمتوں میں مبلغ اور داعی بھیجے۔ وفودِ رسالت روانہ کئے۔ مختلف حکمرانوں اور سربراہوں کو دعوتِ حق کے مکتوب بھیجے۔

## دعوتِ حق

دافع، شاہانِ عالم کے نام

نخاشی اصم شاہِ حبشہ کے نام قاصد حضرت جعفرؓ ظلیار اور عمرو بن امیہ

مقوقس والی مصر " " " " حاطب بن ابی بلتعہ

کسریٰ خسرو پرویز شہنشاہِ ایران " " عبد اللہ بن حذافہؓ

ہرقل قیصر روم " " وجیہ کلیبیؓ

(ب) والیانِ ریاست اور روسا کے نام

ہودہ بن علی والی یامہ " " سلیط بن عمرو

کندر بن ساوی والی بحرین " " علاء بن الحضرمی

جیفر اور عبیدہ شیوخ عمان " " عمرو بن العاص

حارث عسانی والی دمشق " " شجاع بن وہب اسدی

ملک بازان حاکم مین " " حضرت معاذ بن جبلؓ

(ج) مزید برآں

شاہانِ حمیر، پاپائے روم، اور یہودِ جنیر کے نام مکتوب ارسال فرمائے۔

ان مکاتیب میں بالعموم ایک ہی پیغام دیا گیا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ میں اس کا رسول

ہوں۔ رسالت کا اقرار کر لو اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ بھیجی ہے اسے تسلیم کر لو۔ فلاح پاؤ گے۔

ان کے سوا مجموعۃ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی (مطبوعہ مصر ۱۳۶۹ھ) میں تقریباً پونے

تین صد عہدِ نبوی کے سیاسی مکتوب شامل ہیں۔ محقق شہیرہ اکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب رسول اکرمؐ کی

سیاسی زندگی (مطبوعہ ۱۳۶۹ھ) میں مزید ڈیڑھ دو درجن مکتوبات کی نشاندہی کی ہے۔

## محمد رسول اللہ کے لئے

ہم ابھی تفصیل کے ساتھ یہ عرض کر چکے ہیں کہ انبیائے سابقین کی دعوت کسی مخصوص قوم یا محدود دائرہ کے لئے تھی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:-

ولقد ارسلنا نوحًا الى قومه (۵۹: ۷)

والى عاد اخاهم هودا (۶۵: ۷)

والى ثمود اخاهم صالحاً (۷۳: ۷)

والى مدین اخاهم شعيباً (۸۵: ۷)

واتخذ قوم موسىٰ من بعد ذلک... (۱۲۹: ۷)

یہ صرف ایک سورہ اعراف کے حوالے ہیں کہ اللہ رب العزت نے حضرت نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا حضرت ہودؑ اور صالحؑ کو ان کی قوم عاد و ثمود کی جانب بھیجا حضرت شعیبؑ مدین میں آئے۔ اور حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کے لئے آئے ان سب پر اللہ کا سلام ہو

قرآن مجید میں سورہ یونس ایک مستقل سورہ کا نام ہے اس میں بھی حضرت یونسؑ کی دعوت ان کی اپنی قوم کی طرف ہے (۹۸: ۱۰) اس طرح سورہ ہود میں حضرت لوطؑ کی دعوت کے مخاطب ان کی اپنی قوم کے افراد ہیں۔

جبکہ شافع محشر رحمۃ العالمین، خاتم النبیین حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و رسالت پوری نوع انسانی اور کل کائنات ارض و سماوی کے لئے ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

اللق) تمام انسانوں کے لئے

وما ارسلنک الا کافة للناس بشیر و نذیراً ولکن اکثر الناس لا یعلمون (سبا: ۳۲)

انا ارسلنک للناس رسولا (النسا: ۳۰)

قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (الاعراف: ۷: ۱۵۸)

آخری آیت اس سورہ اعراف سے ہے جس میں متعدد حضرات انبیائے کرام کا ذکر ہے کہ وہ اپنی قوم یا اپنی بستی کے لئے آئے تھے۔

## دب) تمام جہانوں کے لئے

ارشادِ ربّانی ہے کہ آپ کی دعوت تمام جہانوں کے لئے ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا (الفرقان ۲۵:۱)

## ج) دوسری مخلوق کے لئے

آپ کی رسالت صرف انسانوں تک نہیں بلکہ جنات اور فرشتوں کے لئے بھی تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک مستقل سورۃ "الجن" ہے۔

سورۃ الاحقاف کی آیت ہے واذ صرفنا الیک نقرامن الجن یستمعون القرآن۔

(۲۹:۲۶)

## د) سب کے لئے رحمت

حضور پُر نور (فداہِ اہلِ واتی) کا وجود سہرا پا جو سب کے لئے رحمت بن کر آیا۔

وہ ہر کمزور فرد کے لئے رحمتِ مجسم تھے وہ عورت ذات ہو یا اُس دور کے لاچار غلام یا دنیا کے بے کس در ماندہ افراد ہوں۔

وہ حیوانات، طیور اور کیڑے مکوڑوں تک لئے رحمت تھے۔ احادیث مبارکہ کے اوراق اُن کی مثالوں سے پُر ہیں۔

انہوں نے اپنی رحمت سے سرسبز کھیتوں کو، پھل دار درختوں کو، اور نباتات تک کو نوازا۔

دوست ایک طرف رہے انہوں نے دشمنوں کو بھی نوازا۔

ان کا عدلِ کامل سب پر محیط رہا۔

صلح حدیبیہ کا معاہدہ، میثاقِ مدینہ کی شرائط، فتح مکہ کا عملی نمونہ اُن کی کامل رواداری اور

رحمتِ کاملہ کے روشن مظاہر ہیں۔

واقعی وہ سب کے تھے، سب کے لئے تھے۔

## ہمارے لئے لہجہِ کریمہ

اب سوال یہ ہے کہ آج دنیا رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں سے کیسے مستمع ہوگی؟ یہ

سایہ رحمت اقوام و ائم عالم پر کیسے سایہ نگیں ہوگا؟ یہ فریضہ اب کون ادا کرے گا؟ چار و انگب عالم میں پیغام حق کون پہنچائے گا؟ بھٹکی ہوئی اور راہ گم کردہ انسانیت کو صراط مستقیم کون دکھائے گا؟ کیا ہم نے اس کے لئے کوئی اجتماعی تدبیر سوچی ہے؟ اس مقصد کے لئے کوئی منصوبہ بندی کی ہے؟ کوئی تربیتی ادارہ قائم کیا ہے؟ کیا ہماری کوئی جماعت اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سرگرم عمل ہے؟ ان تمام بنیادی سوالات کا جواب اثبات یا منفی میں سُنئے بغیر بندہ سورہ توبہ کی اس آیت کریمہ کی طرف توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

وما كان المؤمنون ليتمروا كافداً فلو لا لقد من كل فرقةٍ منهم طائفةٌ ليتفقوه في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔

سورہ انفال اور سورہ توبہ جہاد کی سورتیں ہیں ان میں اول سے آخر تک جہاد کے مسائل اور احکام مذکور ہیں اللہ تعالیٰ نے ان احکام کے بعد تقریباً سورہ کے بالکل آخری حصہ میں یہ آیت نازل فرمائی ”یہ مناسب نہ تھا کہ سب مومن نکل کھڑے ہوں۔ سویوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکل آتا تاکہ وہ علم دین سیکھتے اور اس میں تفقہ پیدا کرتے۔ بعد ازاں جب اپنے لوگوں کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ مذر کرتے“ (التوبہ ۹: ۱۲۲)

از بس ضروری ہے کہ اقوام و ائم عالم کو پیغام حق پہنچانے کے لئے افراد تیار کئے جائیں اس مقصد کے لئے مستقل ادارے قائم ہوں۔ جہاں علوم اسلامی کے ساتھ مشرق و مغرب کی مفاہمی بولبیاں، بین الاقوامی زبانیں سکھائی جائیں، تقابلی ادیان کا مطالعہ اور دوسری اقوام کی تاریخ و ثقافت سے آگاہی نصاب کا ایک حصہ ہو۔ تبلیغ اور دعوت بطور سائنس نصاب میں شامل ہو۔

مشرق سے نکلنے والی کہ نہیں اور مغرب سے چلنے والی لہری پتہ دے رہی ہیں کہ یہ صدی اسلام کی ہے۔ اسلام کے احیاء کی نہیں اسلام کے نفوذ اور نفاذ کی ہے۔ اسلام غالب آکر رہے گا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس میں ہمارا کس قدر حصہ ہے۔

# اتباع رسول کیوں؟

(سید فیض الحسن فیضی، راولپنڈی)

دورِ حاضر میں علم و دانش کی فراوانی اور مادی اسباب کی ہر سہولت بیٹھنے ہونے کے باوجود جب ہم دنیائے اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر طرف اضطراب و کرب کا ایک عالم دکھائی دیتا ہے۔ کفر کی بلغار ہے۔ دشمنوں کی سازشیں ہیں۔ اپنیوں کی بگڑائی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ سب کچھ کیوں؟

غارِ حرا سے طلوع ہونے والے آفتاب نے تو ہر طرف اُجالے بکھیر دیئے تھے۔ ہر آنے والی صبح کو سعادت بکھار کر دیا تھا۔ دنیا و انوں کو ایک نئی زندگی بخشی تھی۔ گردشِ وقت کو بدل کر رکھ دیا تھا لیکن آج کی ہماری دنیا میں اُس کتابِ حیات کا برق ہی اُلٹا ہوا نظر آتا ہے حالانکہ اسلام کے اصول عقائد آج بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ توحید و رسالت آج بھی دینِ اسلام کا طغرائے امتیاز ہیں مگر آج کا مسلمان ہے کہ زندگی کی تنگ و دو میں نہ تو دوسری اقوام کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ ہی اپنے زندانِ غم سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ حال مست رہنے کی یہ روش اُسے مہنگی پڑ رہی ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا:

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر      از نبی تعلیم لا تحزن بگیر  
 این سبق صدیق را صدیق کرد      سرخوش از پیماہ تحقیق کرد  
 از رضا مسلم مثالِ کوب است      در رہستی تبسم بر لب است

گر خدا داری ز غم آزاد شو

از خیالِ بیش و کم آزاد شو

اور تاریخ شاہد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم و لا تھنوا ولا تحزنوا

وانتہر الا علون ان کنتم مرشذین ، نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کرو اور تمہیں غالب آدگے  
 بشرطیکہ تم مومن بن کر رہے۔ اس تعلیم نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہ انقلاب عظیم پیدا  
 کر دیا تھا کہ ان کے ذہن بدل گئے تھے۔ سوچ کی راہیں تبدیل ہو گئی تھیں۔ کردار نے ایک نیا رخ اختیار  
 کر لیا تھا۔ خیر و شر کے معیار اور ہو گئے تھے اور قدن کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جو اس انقلاب سے  
 متاثر نہ ہوا ہو۔ اس انقلاب نے تخریب کو تعمیر کی طرف لگایا اور زوال کو کمال کے ارتقائی مراحل  
 دکھا کر انسانیت کو نشاۃ ثانیہ عطا کی۔ نظام حق کی سچ درخشاں سے مطلع تہذیب کو وہ روشنی ملی  
 کہ ایک سنہری دور کا آغاز ہو گیا جو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ان کنتم مومنین کی  
 شعاعوں سے جگمگاتا رہا۔

یہی وہ دور تھا جس میں امت مسلمہ پر یہ کتنے ہرے دو فرائض عاید کئے گئے تھے کہ کنتہ  
 خیر امتہ اخرجت لنا س قاصرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔ تم لوگوں کو  
 بہترین امت ہو جسے انسانیت کی بھلائی کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے  
 روکتے ہو۔ امر معروف اور نہی منکر کا یہی کام ایک مقدس امانت کی صورت میں امت کو تفویض ہوا کہ  
 زندگی جب بھی اپنے مسائل میں الجھ جائے اور انسانیت صراط مستقیم سے کھٹکتی ہوئی نظر آئے تو  
 پوری امت پر یہ فرض عاید ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں تک دعوت دین پہنچانے میں کسی طرح کی کوتاہی  
 سے کام نہ لے۔

کیا ملت مسلمہ اپنے اس فرض سے عہدہ برآ ہو رہی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے، تو  
 کیوں؟ اس کی وجہ صرت یہ ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو فراموش کر دیا  
 ہے۔ اس نظام حق کو اپنانے میں کوتاہی سے کام لیا ہے جو تمام ادیان پر غلبہ پانے کے لئے آیا  
 تھا۔ بعثت رسول کی غرض و غایت اور کیا تھی؟

هو الذی ارسل رسوله بالادان ودين الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کثر المشکون  
 وہی ذات پاک ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے تمام  
 ادیان پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کے لئے یہ باعث کراہت ہی کیوں نہ ہو۔ غلبہ دین کا اصل منقذ  
 قوت عمل کی بیداری ہے لیکن ہم ہیں کہ قوت عمل تو خواہ مخواہ مفلوج بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اس کا جو نتیجہ

برآمد ہونا تھا وہی ہوا۔ یعنی اسلام کا وہ غلبہ باقی نہ رہا۔ نتیجتاً اسلام دشمن طاقتوں نے پھر اسلام کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی ہے۔ اور قبولِ اقبال ہماری اپنی حالت بھی یہ ہے۔

مومن و پیش کساں بستن نطق	مومن و غداری و نقر و نفاق
باپیشیزے دین دلت را فرخت	ہم متاعِ خانہ و ہم خانہ سوخت
لا الہ اندر نمازش بود نیست	نازھا اندر نیازش بود نیست
نور در صوم و صلاوة او نماند	جلوہ در کائنات او نماند

آنکہ بود اللہ اور اساز و برگ

فتنہ او حبت مال و ترس مرگ

یہ حبتِ مال اور ترسِ مرگ کے فتنے ہیں جنہوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور غالباً اسی لئے ناکامی و نامرادی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ اسی کا نام خدا و رسول سے اعراض ہے۔ اس کے عکس اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے ایسی استقامت نصیب ہوتی ہے جو تمام جذبات پر غالب آجاتی ہے۔ یہی وہ استقامت ہے جو نفسانی زندگی کو کا ادم کر دیتی ہے اور انسان بلیٰ منِ اسلم و جھٹلہ اللہ و ہو محسن کے تحت ذبیحہ بن کر اللہ کے آگے اپنی گردن رکھ دیتا ہے اُس کے وجود کے تمام پرزے اور نفس کی تمام قوتیں فرمانِ خداوندی سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور وہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھتا ہے۔

ان صلاقی و نسکی و محیای و مہماتی للہ رب العالمین ط

میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے جو جہانوں

کا پالنے والا ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اس منزلِ استقامت تک پہنچ ہی نہیں سکے۔ اس میں قصور خود ہمارا ہے ہم مجرم ہیں کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ تو کیا لیکن اسے دل و دماغ میں جگہ نہیں دی۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بیشک اللہ کے رسولؐ کی ذاتِ اقدس میں تمہارے لئے قابلِ تقلید نمونہ تھا لیکن ہم اس نمونے کی تقلید نہ کر سکے۔ امرِ بانی کا حامل یہ رسول یقین محکم اور توحید کی شعاعوں سے جگمگاتی ہوئی شمع بن کر انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لئے آیا تھا۔ ایک ملت واحدہ کو تشکیل دینے کا پیغام اُس کے پاس تھا۔

اس امام انسانیت نے دنیا کے سامنے اپنے عمل و کردار کا نمونہ پیش کر کے سب سے پہلے عالمی تاریخ میں حیاتِ ابدی کے درخشاں باب کا اضافہ کیا۔ زندگی کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی اور شگفتگی قس کرنے لگی۔ نیک سیرتوں پر نکھار آگیا۔ یہ سب کچھ اس لئے رحمتِ مجسم بن کر آیا تھا اور قرآن نے خود اس کی تصدیق بھی فرمائی تھی کہ۔

اے محمد! ہم نے تم کو انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔  
 ہمیں بجا طور پر اس رحمت للعالمین سے اپنی نسبت پر فخر ہے کہ ہم اس کی امت میں ہیں۔ آج کے حالات میں وقت کا سب سے اہم اس کی امت میں ہیں۔ آج کے حالات میں وقت کا سب سے اہم تقاضا اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اس محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو نہ صرف اپنانے کی کوشش کریں بلکہ اس نبی برحق کی ہستی اور ان کے زیریں کارناموں سے دنیا کو بھی متعارف کرائیں اور اللہ کے دین کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائم کردہ اس نظام پر عمل پیرا ہوں جو دینی اور دنیوی فوڑ و فاج کا ضامن ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم تہذیبِ حاسنہ کی جلوہ سامانیوں سے متہ موڑ کر آج کے مادہ پرست دور کے خلافتِ فکری بنات کا علم بلند کریں۔ حضور علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو اپنی عملی زندگی میں رہبر بنائیں تاکہ ہم انسانیت کے لئے راہِ نجات دکھانے والی مثالی قوت بن کر ابھر سکیں جس کی جگہ تاریخ میں ابھی تک خالی پڑی ہوئی ہے۔

پندرھویں صدی ہجری کے پہلے ماہ ربیع الاول کا ہمارے لئے یہی پیغام ہے کہ ہم اقامتِ دین اور اسلامی نظامِ زندگی کے لئے اسی طرح معروفِ جد و جہد رہیں جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندگی بھر جہادِ زما ہے۔ اسی میں ہماری کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ نئی آرازاں کا لایا ہوا دین ایک عالمگیر برادری کے قیام کا پیامی اور ہدایتِ ربانی کا ترجمان ہے۔ ایسی ہدایت جسکی روشنی میں انفرادی و اجتماعی تشخیس کی ہر ذکوہ کو بخوبی پہچانا جا

سکتا ہے۔ غنچہ از شاخسارِ مصطفیٰ گل شہ از بادِ بہارِ مصطفیٰ

از بہارش زنگ برباید گرفت پہرہ از خلقِ اُد باید گرفت

فطرتِ مسلم سر با شفقت است در چہا دست ز پائش رحمت است

آنکہ ہناب از ہر گشتش دونیم رحمت و علم اخلاقی عنلیم

از مقام اداگر دور ایستی از میانِ معشر ما نیستی



# حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ سب سے ضروری کلمہ

(پروفیسر محمد اسلم، شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی)

انسان کی فطرت میں قدرت نے ایک خاص وصف پیدا کیا ہے جس وقت کوئی شخص اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو دیکھنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کی پیروی کی جائے۔ جن کی طبیعت میں بُرائی کی جانب مائل ہونے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے بُرے کام دیکھ کر اُن کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور جن کی طبیعت نیکی کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے، وہ دوسروں کے اچھے کام دیکھ کر ان کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ جلد ہی دوسروں کی نقل کرنے لگتا ہے جس وقت ہم کسی بڑے آدمی کی زندگی کے حالات پڑھتے ہیں تو لازمی طور پر ہم میں بھی اس جیسے کام کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اُس کی زندگی کے تجربات سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ایک سمجھدار آدمی کی پہچان داناؤں کے نزدیک یہی ہے کہ وہ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے اور حتی الوسع خود کو مشکلات و حوادث سے بچائے۔

ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے مشاہیر گزرے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام ہم اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ان کے حالات زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں کچھ مل سکتا ہے یا نہیں سب سے پہلے سکندر اعظم، چنگیز خان، اٹیلہ اور ہلاکو خان کو ہی لیجئے۔ انہوں نے کئی ملک فتح کئے اور دنیا بھر میں تہلکہ مچا دیا۔ اُن کے نام اُن کی فتوحات کی وجہ سے روشن ہیں، لیکن جب ہم ان کے نام لکھتے ہیں تو نوکِ قلم سے روشنائی کی بجائے خونِ شینے لگتا ہے۔ وہ جدھر سے گزر گئے اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل اور مظلوموں کی سسکیاں چھوڑ گئے۔ ان ظالموں نے لاکھوں انسانوں کا ناحق خون کیا اور آج دنیا اُن کے نام پر تین حرف بھیجتی ہے۔ ہمارے زمانے میں ہنگر اور مسولینی کے نام بچے بچے کی زبان پر تھے۔ وہ طوفان کی طرح اُٹھے، بادل کی طرح گرے اور آندھی کی سی سرعت سے اُتی عالم

سے غائب ہو گئے۔ انہوں نے دنیا میں فتنہ و فساد کا بیج بویا۔ کہ وڑوں انسان اس فتنہ میں جان سے مارے گئے۔ لاکھوں عورتیں کے سہاگ لٹ گئے اور کہ وڑوں بچے یتیم ہو گئے۔ اس کے علاوہ لاکھوں انسان زندگی بھر کے لئے اپنا بیج ہیرہ کئے۔ آج لوگ ہٹلے اور مسولینی کا نام سنتے ہی ان سے بیزاری کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ وہ بڑے لوگ ضرور تھے لیکن ان میں ایسی کون سی بات تھی جس کی ہم تقلید کریں۔

ہندوستان میں صدیوں پیشتر مشری کرشن چندر مہاراج اور مشری رام چندر جی بلاشبہ بڑے انسان گزرے ہیں آج کہ وڑوں انسان ان کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں سے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے کرشن چندر جی کی تقریر بھگوت گیتا میں پڑھ کر ان کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اویا اللہ میں سے تھے۔ ان کے کلام سے بزرگی اور شرافت ٹپکتی ہے، لیکن آج ہندوؤں نے جس رنگ میں ان کی زندگی پیش کی ہے، اس سے خود بعض سمجھ دار ہندو بیزار ہیں ان کی زندگی میں کوئی قابل رشک یا لائق تقلید چیز نہیں ملتی۔ اسی طرح مشری رام چندر جی کے واقعات زندگی رامائن میں پڑھنے سے ان کی حق گوئی، اطاعت والدین اور سادہ زندگی کا پتہ چلتا ہے لیکن ان کی ازدواجی زندگی بڑی تلخ رہی ہے۔ پہلے راون ان کی شریک حیات کو اٹھا کر لے گیا، بعد ازاں لوگوں کے طعنے سن کر انہوں نے سیما کو گھر سے نکال دیا۔ ہندوؤں نے ان دونوں بزرگوں کو انسان سے بھگو ان بنا دیا۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کبھی کبھی انسان کے روپ میں بھی جنم لیتا ہے اور یہ دونوں بزرگ خدا کے اوتار تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک عاجز انسان ایک دیوتا کی پیروی کرے۔ انسان تو محض انسان کی ہی تقلید کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اگر خدا فرشتے کو بھی نبی بنا کر بھیجتا تو اسے انسانی شکل میں ہی بھیجتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

ذَٰلِرَٰئِلَآءِ لَوْ لَا اُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَّلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُوْنَ ۗ وَّلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَّلَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَآ يَلْبَسُوْنَ ۗ

ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کے روزمرہ زندگی کے واقعات اس شرح و بسط سے نہیں

۱۹۵۸ء لاہور مطبوعہ لاہور ۵۶۶

۸-۹

ماتے جس اہتمام سے صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا دیکھ کر سینوں میں محفوظ کر لی اور جب تدوین حدیث کا زمانہ آیا تو محدثین کرام نے نقل کر لی۔

ہاتما بدھ اسی سرزمین میں ایک نیک انسان ہو گزرے ہیں۔ آج بھی ان کے ماننے والے سہری لٹکا، برما، تھائی لینڈ، ویت نام، جاپان، تبت، ملائیشیا اور بنگلہ دیش میں کھڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ چین میں کمیونسٹوں کے برسر اقتدار آنے سے قبل عیسائیت کے بعد بدھ مت دنیا کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ ہاتما بدھ کی تعلیمات سیدھی سادی سی ہیں۔ ان کی زندگی بھی بڑے مجاہدہ اور ریاضت میں گزری ہے۔ موصوف برسوں ایک ایک مقام پر بیٹھ کر عبادت کرتے رہے۔ مگر یہ عبادت کس کی تھی؟ یہ شاید بدھ مت کے پیرو بھی نہ بتا سکیں۔ ہاتما بدھ خدا کی ذات کے بارے میں خاموش ہیں، وہ نہ ہی تو اس کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی اقرار کرتے ہیں۔ اب انہیں یہ کون سمجھائے کہ خدا کا تصور قائم کئے بغیر عبادت کس کام آئیگی اور ایک مذہب کے بانی کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو سیدھے راستے پر ڈال دے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے، یعنی بندوں کو خدا سے قریب کر دے، نہ یہ کہ انہیں ذاتِ خداوندی کے متعلق شبہ میں ڈال دے اور وہ خود ساختہ بھول بھلیوں میں ٹانک ٹوٹیاں مارتے پھریں۔

گور و نانک دیو جی کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے ان کے عشق الہی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی بے غرض اور سادہ زندگی کی مثال چیراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی دنیا میں نہ ملے گی۔ گرتھ صاحب بھی ترکِ دنیا کی غیب دیتا ہے اور مال و دولت کو بے وقت بنا کر مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے اور خود درویشانہ زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتا ہے، جیسا کہ خود بابا صاحب نے سچا سودا کے مقام پر اپنی تمام پونجی خدا کی خوشنودی کی خاطر سادھوؤں کی پیٹ پوجا پر خرچ کر دی تھی۔ اسی طرح گرتھ میں بھی لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لئے بہت کچھ ہے، لیکن احکام مفقود ہیں۔ دنیا دار لوگ دنیاوی امور میں کس کی طرف رجوع کریں۔ ایک جج عدالت میں بیٹھے کر چور اور زانی کو کس قانون کے تحت سزا دے۔ ایک سپہ سالار اپنی فوج کو کس طرح لڑائے؟ ایک دکاندار کن اصولوں کو مد نظر رکھ کر تجارت کرے۔ میاں بیوی میں نباہ مشکل ہو جائے تو کس طرح اسے طلاق دے؟ ایک آقا اپنے ملازم سے کیسا برتاؤ کرے؟ انسان ناپاک ہو جائے تو کیونکر پاک ہو۔ ایسے احکام گرتھ صاحب میں نہیں ملتے اور نہ ہی حکومت کا تصور اس میں ملتا ہے؟

بزرگم پاک و ہند سے باہر ہماری نظر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام پر پڑتی ہے۔ ان کی اولاد سے ہزاروں پیغمبر پیدا ہوئے۔ قرآن حکیم میں بار بار خدا تعالیٰ ان کی بزرگی کا ذکر کرتا ہے لیکن ان کی زندگی کے پورے حالات، ان کے رہن بہن کے طریقے، ذرائع آمدنی، تربیت اولاد اور تعلیم امت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی شخص کی دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو وہ حضرات ابراہیم کی سنت پر کیسے عمل پیرا ہو۔ وہ تو جناب سارہؑ کے کہنے پر اپنی دوسری رفیقہ حیات سیدہ ہاجرہ کو وادی غیر ذی زرع میں جہاں اب مکہ آباد ہے، چھوڑ کر خود شام کی طرف چلے گئے تھے۔ اگر بال بچے دار آدمی ان کی تقلید کرنا چاہے تو کس طرح کرے؟ اس کا جواب تو یہودی بھی جو ان کی اولاد ہونے کے دعویدار ہیں نہ دے سکیں گے۔

سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو آج دنیا کی امیر ترین قوم اپنا لادھی اور رہبر تسلیم کرتی ہے اور جس کثرت سے ان کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے، اس کثرت سے کسی دوسرے پیغمبر کا نہیں آیا۔ اس کی ایک وجہ مفسرین کرام نے یہ بھی بتائی ہے کہ تربیت امت کے معاملہ میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ ایک نافرمان اور سرکش قوم کو نئے زندگی بھر وشت و صحرا میں پھرتے رہے اور اپنی زندگی میں اُس سرزمین میں جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں آباد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا نہ ملے جاسکے، اور یہ کام ان کے جانشینوں نے کیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تمام اقوام عالم پر فضیلت دی اور ان پر بڑا فضل و کرم فرمایا۔ انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔ ان کے لئے سمندر کو بچھاڑ کر راستہ بنا دیا۔ انہیں بھوک لگتی تو ان کے لئے من و سلویٰ نازل ہو جاتا، اور جب پیاس لگی تو موسیٰؑ نے ایک پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کر دیئے۔ جب وہ چلتے تو آسمان پر ابر چھا جاتا تاکہ انہیں دھوپ سے تکلیف نہ پہنچے۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے توراہ عطا فرمائی۔ اس قدر انعام و اکرام کے باوجود یہودی ہمیشہ سرکش اور اپنے پیغمبر کے نافرمان رہے اور انہیں بلا وجہ تنگ کرتے رہے۔ انبیاء کرام کو قتل کر دینا ان کا معمول ہو گیا تھا۔ یہ قوم جو خود اپنے پیغمبروں کو ایذا دیتی رہی، دوسری اقوام کو کس مُندے سے اپنے پیغمبروں کی تقلید کا مشورہ دے سکتی ہے؟

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو آج دنیا کی اکثریت اپنا نجات و ہندہ مانتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی اور ان کی والدہ محترمہ کی قرآن مجید میں بڑی تعریف کی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے زندگی بھر تبلیغ

کی اور صرف بارہ آدمی اُن پر ایمان لائے جن میں سے ایک آخری وقت پر انہیں دھوکا دے گیا، اور معمولی سی رقم کے لالچ میں دشمن سے مل کر انہیں گرفتار کر دیا۔ حضرت عیسیٰ نے شادی نہیں کی عورتوں کے مسائل سے وہ دوچار نہیں ہوئے اور اولاد کے بکھیڑوں میں نہیں پڑے۔ ایک دنیا دار آدمی کن دنیاوی اُمور میں اُن کی پیروی کرے، ایک عورت جو کسی دوسری قوم سے تعلق رکھتی تھی، وہ آپ کے پاس آئی اور عرض کی کہ اُسے بھی اپنے دین میں داخل کر لیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی منتشر بھینٹوں کو اکٹھا کرنے آئے ہیں۔ اس لئے وہ صرف انہیں راہ ہدایت دکھانا چاہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے بچوں کے منہ سے لقمہ نکال کر کتوں یا سوروں کے آگے ڈالنا دانائی نہیں ہے۔ یہ سب روایتیں بائبل میں موجود ہیں۔ اب عیسائی کس منہ سے دوسروں کو عیسائی بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا پیغمبر تو غیر اسرائیلی کو عیسائی بنائے پر صامندہ تھا اور یہ پوری دنیا میں مشنری بنے پھرتے ہیں۔

عیسائیوں کی شریعت میں عورتوں کے مسائل موجود نہیں ہیں۔ ان کے ہاں ولادت، رضاعت، نکاح و طلاق، حیض و نفاس اور جنابت کے مسائل نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی شریعت نامکمل رہ جاتی ہے۔ یورپ میں عجب تماشا ہوتا ہے کہ رومن کیتھولک کلیسیا میں نکاح تو ہو جاتا ہے لیکن طلاق نہیں ہو سکتی۔ جس کو طلاق لینا ہوتی ہے، وہ سول عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ عدالت سے طلاق لے کر وہ مرد عورت دوسرا عقد کر لیں۔ تو کلیسیا کی نظروں میں ان کا پہلا نکاح ہنوز موجود ہے۔ اس لئے دوسرے خاوند سے جو اولاد ہوگی کلیسیا اُسے پہلے خاوند کی اولاد سمجھے گا۔

اس عالم میں ہمیں صرف اور صرف امام الاولین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ایسی نظر آ رہی ہے جن کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی دعوت ہم تمام بنی نوع انسان کو دیتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور آپ کو اپنا ہادی و رہنما مانتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ آپ ایک انسان کامل تھے، دیوتا یا فرشتہ نہ تھے۔ آپ نے ساری عمر ایک انسان کی طرح گزاری اور آپ کی زندگی سے عام و خاص کو سبق ملتا ہے۔ آپ نے بادشاہی میں فقیری کی۔ خود اپنے پیٹ پر پتھر باندھے اور دوسروں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ پیغمبر ہو کر بھی عام مسلمانوں کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹایا۔ مسجد قبا کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں صحابہ کرام کے

ساتھ مل کر پتھر اور مٹی اٹھائی۔ حج بن کر مقدمات کے فیصلے کئے۔ بیسہ سالار کی حیثیت سے متعدد بار فرجیوں کی کمان کی۔ باپ کی حیثیت سے اولاد کی تربیت کی۔ ایک مثالی خاوند کی حیثیت سے ازواج مطہرات کے ساتھ زندگی بسر کی۔ ایک قانون ساز بن کر ہمیں ابدی قانون دیا جس پر عمل کر کے ایک انسان و نون جہاں میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ معلم اخلاق بن کر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ کے اخلاق سدھارے۔ جنہیں بقول عمر فاروقؓ اونٹ چرانے کا سلیقہ نہیں آتا تھا، انہیں تربیت دے کر مثال حاکم بنا دیا۔ وہ خانہ بدوش عرب جن کا کوئی گھر گھاٹ نہ تھا، ان کو مراکش سے کاشغر تک اور جنوبی فرانس سے چین تک کا حاکم بنا دیا۔ دنیا میں اتنی قلبی مدت میں اتنا پائیدار انقلاب برپا کر دیا جس کی مثال انسانیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دنیا کا کوئی بھی شخص ہو، وہ چاہے اپنے ہی نقطہ نظر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ اور سیرت پاک کا مطالعہ کرے، اسے اپنے مطلب کی بہت سی چیزیں مل جائیں گی، اور آئندہ سطور میں ہم یہ پڑھیں گے کہ ہم اپنے اس دعویٰ میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟

خدا تعالیٰ کروڑوں اور اربوں رحمتیں نازل فرمائے، صحابہ کرامؓ پر جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا مکمل ریکارڈ محفوظ کر لیا اور آپؐ کی ہر ہر ادا کا نقش اپنی انوار قلب پر نقش کر لیا اور خدا بھلا کرے محدثین کرام کا، جنہوں نے اسے اپنی کتابوں میں محفوظ کر کے ہم تک پہنچا دیا۔ آج ہم بڑے فخر کے ساتھ اقوام عالم کو بتا سکتے ہیں کہ اس عظیم اور کامل انسان کی زندگی کیسی تھی؟ آپ کھاتے کیا تھے، پینتے کیا تھے؟ نہاتے کس طرح سے تھے۔ سوتے کس طرح تھے۔ سونے سے پہلے کیا پڑھتے تھے اور بیدار ہو کر کیا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب چھینک آتی تو آپ کیا فرماتے ازواج مطہرات سے کیسی باتیں فرماتے تھے۔ دوستوں سے کس طرح گفتگو فرماتے اور بیگانوں سے کس مروت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے یہ بھی نوٹ فرمایا کہ آپ کتنے گھونٹوں میں پانی پیا کرتے تھے۔ آنکھوں میں سرمہ کی کتنی سلٹیاں لگاتے، کنگھی کس طرح فرماتے، ناخن کس طرح لیتے، نعلین مبارک کا رنگ کیا تھا، کتنا کس طرح سے پہنتے، دستار مبارک کا رنگ کیسا ہوا کرتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کی ریش مبارک میں کتنے بال سفید آگئے تھے۔ ایسی پرائیویٹ زندگی کی باتیں، جن کو لوگ ہمیشہ چھپاتے ہیں، آپؐ نے خلق خدا کی فلاح و بہبود کے لئے ظاہر کر دیں۔ آخر آپؐ انسان کامل تھے اور ہمارے لئے آپؐ نے ایک مکمل زندگی کا نمونہ پیش

کرتا تھا۔ اس لئے آپ نے ہر برہنہ کو نمایاں کرنا مناسب سمجھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے :-

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ حَسَنَ الْإِخْلَاقِ

یعنی میری بعثت کا مقصد ہی تکمیل اخلاق ہے۔

آئیے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس زندگی پر ایک طاہرانہ نظر ڈالیں کہ وہ کون سی اچھی صفات ہیں جو آپ کو دوسرے مذہبی پیشواؤں سے ممتاز کرتی ہیں، اور آپ کے بنائے ہوئے راستہ پر گامزن ہونے سے دنیا و آخرت میں کسی طرح سرخروئی ہو سکتی ہے۔

ایک تاجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپ نے تجارت کرنے کے متعلق کونسی ہدایات دی ہیں اور کس طریقہ سے مال فروخت کرنا منع ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک ہٹ دھرم دوکاندار کسی گاہک کے گلے ہی پڑ جائے کہ اس نے چونکہ چیز دیکھنے کے لئے مانگی تھی اس لئے اسے ضرور خریدنا پڑے گی۔ ایسی تجارت کو عربی زبان میں "منابدہ" کہتے ہیں۔ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ انسانی اخلاق سے بعید ہے۔ اسی طرح بعض لوگ مال کو چمکھے بغیر ہی خرید لیتے ہیں یا اندھیرے کمرے میں ہی ٹٹول کرے سودا طے کر لیتے ہیں۔ اسے عربی زبان میں "مُلاَمَسَة" کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بھی منع فرمایا ہے۔ کیونکہ بعض چالاک دوکاندار ناقص مال کی اچھی اور خوبصورت پیکنگ کر کے اُسے اچھے داموں فروخت کر لیتے ہیں اور خریدار کو نقصان ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے :-

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

اسی طرح دھوکے کی بیع سے بھی منع کیا گیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا غلام فرار ہو گیا ہو جس کی قیمت پچاس دینار ہو اور کوئی شخص اُس کے مالک سے کہے کہ وہ اس مغرور غلام کے بدلے بیس دینار دینے کو تیار ہے، اگر وہ مل گیا تو وہ خریدار کی ملک سمجھا جائے گا اس صورت میں اگر غلام مل گیا تو مالک کا بیس دینار کا نقصان ہوا اور اگر نہ ملا تو خریدار کے بیس دینار

لے امام مالک، موطا، کتاب الجامع، افضل المطالع کراچی، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵،

گئے۔ اس طرح کی خرید و فروخت کو عربی زبان میں "بَيْعَ الْغَرَرِ" کہتے ہیں۔ امام مالکؒ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب کی روایت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں :-

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ

خرید و فروخت میں دھوکا دینا، یا کسی مسلمان کے ساتھ قریب کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا معیوب سمجھا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا

یعنی جو ہمیں دھوکا دے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی وہ مسلمان نہیں ہے۔

بعض دوکاندار دوسرے دوکانداروں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کم قیمت پر چیزیں بیچنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں اس طرح کا کاروبار بھی ممنوع ہے۔ امام مالکؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بازار سے گزرنے اتفاق سے حضرت حاطب بن ابی بلتعزم منقی بازار سے کم نرخ پر فروخت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا یا تو تم نرخ بڑھا دو یا ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ۔ اسی طرح اختکار سے بھی منع کیا گیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔

التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء

یعنی قیامت کے دن ایک ایماندار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

سبحان اللہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجارت کو بھی عبادت بنا دیا ہے۔

ایک خاوند کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرنا چاہیے کہ حضورؐ کا اپنی ازواج کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیک سلوک کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ

یعنی تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔



ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا کرتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ اپنے ماتھے پر تیوری چڑھا کر اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوں۔ تمام ازواج کے ساتھ آپ کا سلوک ایک سا تھا۔ آپ کے پاس اگر کوئی چیز آتی، یا فصل پر غلہ آتا، تو آپ اُسے تمام ازواج میں برابر برابر تقسیم فرما دیتے۔ آپ تمام ازواج کے ہاں باری باری قیام فرماتے اور اُس روز وہیں کھانا تناول فرماتے۔ جب کبھی آپ سفر پر تشریف لے جاتے تو ازواج کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے جس زوجہ مطہرہ کا نام قرعہ میں نکل آتا۔ اُسے شریک سفر بنا لیتے۔ ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ آج کتنے اہم مسائل ایسے ہیں۔ جو ہم تک صرف آنحضرت کی ازواج مطہرات کی روایت سے پہنچے ہیں۔

ایک عام شہری کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں اسوہ حسنہ موجود ہے۔ آپ نے سب کو مل جل کر رہنے اور اچھے ہمسائے بننے کی تلقین فرمائی ہے۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ وہ شخص ہنوز ایمان نہیں لایا جس کا ہمسایہ اس کی بدیوں سے محفوظ نہ ہو۔ آپ نے خواتین کو خاص طور پر یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کوئی اچھی چیز پکائیں تو پانچ ہمسایوں کو فراموش نہ کریں۔ ایک موقع پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہمسائی اپنی ہمسائی کے تحفہ کو حقیر نہ جانے، خواہ وہ کبھی کا کھڑی کیوں نہ ہو۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک رتبہ کے لحاظ سے بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ اس کے شر سے بچنے کی خاطر ملنا چھوڑ دیں۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ام المؤمنین، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جبرئیل برابر مجھے ہمسائے سے نیک سلوک کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہو گیا کہ وہ اسے وارث بنا دے گا۔

سب کے ساتھ گھل جلی کر رہنا اور ایک اچھے شریف شہری کی طرح زندگی گزارنا ایک مسلمان کا

۱۳۶۲ء صحیح بخاری، شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، بار اول ۱۳۶۲ء

۱۳۶۲ء ایضاً ۱۳۶۱ء ایضاً ۱۳۶۱ء۔

شبیوہ ہے۔ امام مالکؒ، حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے اچھے خلق اور برتاؤ کی وجہ سے ساری رات عبادت کرنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے سے بڑھ جاتا ہے افسوس آج تو ہمیں مجلس میں بیٹھنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ حضور نبی کریمؐ کی صحابہؓ کے ساتھ نشست و برخاست کی تصویر دیکھنی ہو تو شمال ترمذی کا مطالعہ کیجئے معلوم ہو جائے گا کہ معلم انسانیت نے کیا کچھ نہیں سکھایا۔

حضرت سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ نماز اور صدقہ سے بھی یہ بہتر ہے کہ لوگوں میں صلح کرادی جائے اور بغض و عداوت سے بچا جائے، کیونکہ یہ نیکیوں کو ختم کر دینے والی عادتیں ہیں۔ حمید بن عبدالرحمن بن عوفؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ مجھے چند مفید باتیں بتا دیجئے جن سے میں فائدہ اٹھاؤں اور اتنی زیادہ بھی نہ بتائیے کہ میں یاد ہی نہ رکھ سکوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ لَا تَغْضَبْ، تَوْغْضَبُ نَهْ كَيْفَا كَرِهْمُ جَانْتَهْ میں کہ غصہ کی حالت میں بعض لوگ کیا کچھ کر گزرتے ہیں۔ لڑائی، فساد، مقدمہ بازی، طلاق، گھر کی بربادی، احباب سے کنارہ کشی، ان سب نعمتوں سے بچنے کے لئے آپ نے یہ مشورہ دیا کہ غصہ نہ کیا کرو۔

ایک باپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپ نے اولاد کی تربیت کس طرح کی ہے اور بیٹیوں کی شادی پر دیوالیہ ہو جانے والے باپ کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ یہ جانے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں کس سادگی کے ساتھ کی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لئے جب آپ کی صاحبزادیاں آئیں تو آپ ان کے احترام کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ آپ کی بخت سے قبل لڑکی کی ولادت کو معیوب سمجھا جاتا جاتا تھا اور عرب کے بعض قبائل بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ آپ کا صفت نازک پہ یہ احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے دو تین بیٹیوں کے باپ کو جنت کی بشارت دی ہے۔

ایک مالک یا آفیسر کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پاک کا مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ اُسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس باب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس برس تک روز و شب آپ کی بحیثیت خادم

✓ خدمت کی اور نہ کبھی نہ فرمایا کہ فلاں کام اس طرح کیوں کیا اسے تو دوسری طرح کرنا چاہیے تھا۔ ایک سربراہ مملکت آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کرے کہ بحیثیت سربراہ مملکت آپ نے کیسی مثالیں قائم کی ہیں۔ اس حیثیت سے آپ نے خود کو کبھی قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔ آپ کے حقوق میں مملکت میں اتنے ہی تھے جتنے ایک عام شہری کے تھے۔ دس لاکھ مربع میل علاقے کا حاکم اعلیٰ بوریہ پر استراحت فرماتا اور پیوند لگے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ سرکار دو عالم کے چولے میں کئی کئی ہفتے آگ نہیں جلتی تھی اور چولے کو پھپھوندی لگ جاتی تھی۔ اپنا بھوکا رہنا پسند فرماتے تھے لیکن دوسروں کو بھوکا دیکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ سرکار نے اپنے خلاف شکایات اور دعاوی سُننے میں حضورؐ نے عادل حاکم کے ایک گھڑی کے عمل کو زاہد بے ریاکی ساٹھ برس کی ریاضت کے برابر قرار دیا ہے۔ ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ نے کسی عہدہ کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا "ابوذر! قیامت کے دن بہت سے لوگوں کے لئے حکومت باعثِ ندامت ہوگی" اسلام میں حکومت اور اقتدار کرامتِ الہی تسلیم کیا گیا ہے اور امام تقی الدین احمد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اہل لوگوں کو چھوڑ کر نا اہل لوگوں کو عہدے دیتا ہے، وہ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کو مشورہ کا پابند کیا ہے۔ تو جو ایسا کون حاکم ہو سکتا ہے جسے مشورہ کی ضرورت نہ ہو۔

ایک حج اور قانون دان اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں کہ آپ ایک قانون ساز اور مملکت اسلامیہ کے قاضی القضاة بھی تھے۔ آپ نے جو قوانین نافذ کئے، وہ سب کے لئے یکساں تھے۔ اس میں چھوٹے بڑے اعلیٰ و ادنیٰ اور اپنے اور بیگانے میں کوئی تیز نہ کھتی۔

ایک سپہ سالار حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپ نے بحیثیت سپہ سالار اکیس غزوات میں شرکت فرمائی اور ساٹھ سرایا میں صحابہ کرامؓ کو کمان سونپی۔ کئی معرکوں میں آپ نے تلوار سونت کر باقاعدہ مقابلہ کیا۔ غزوہ بدر واحد میں آپ تیرا کھٹے کر کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو عنایت فرماتے رہے۔

ایک اُستاد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپ

نے اپنے اصحابؓ کی تعلیم و تربیت کس طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے چار فراتس بیان کئے ہیں:-

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

اس آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اصحابؓ کو اس وقت تک کتاب و حکمت کی تعلیم نہیں دی جس وقت تک ان کا تزکیہ نفس نہیں کر لیا۔ ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ جب تک زمین درست نہ کی جائے اس وقت تک اچھے سے اچھا بیج بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے تزکیہ کے بغیر تعلیم و تربیت ممکن نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے نظام تربیت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ان کے ہاں تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ آج ہمارے نظام تعلیم کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ موجودہ نظام تعلیم میں تربیت کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور ہمارے اساتذہ اور طلبہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے مل مزدوروں کی طرح پڑتال کر دیتے ہیں۔ جب تک ہم تعلیم کے معاملے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی نہ کریں اور اس وقت تک درس و تدریس سے اچھے نتائج نہیں نکل سکتے۔

اسلامی معاشرہ میں حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کیا گیا ہے اور اسی طرح دانائی کی بات کو مسلمان کا گمشدہ سرمایہ کہا گیا ہے۔

ایک عام مسلمان اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا مطالعہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یعنی تمہارے رسول کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ موجود ہے۔

ایک ذات پاک ایسی ضرور ہونی چاہیے تھی جو اپنی زندگی کو قرآن کے قالب میں ڈھال دیتی اور دوسروں کے لئے نمونہ بنتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک بار کسی تابعی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔ کیا تم نے قرآن پڑھا؟ اس نے کہا کہ قرآن تو اس نے کئی بار پڑھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ یہی قرآن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت اور خلقِ عظیم کا آئینہ ہے۔ ایک مسلمان اس لئے بھی حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ کرے، کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:-

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

آخر میں اتنا اور عرض کرتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ثواب اور اس پر عمل جنت کی ضمانت ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَ  
عَلَى أَزْوَاجِهِمْ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِمْ

# سیرت مصطفیٰ میں عصر حاضر کے لئے پیغام

(رینٹنٹ کرنل عبدالغفور - آرمی ایجوکیشن کور)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تَوْقَى الْمَلِكِ مِنْ تَشَاءٍ وَتَنْزِعِ الْمَلِكِ مِنْ تَشَاءٍ ۝  
وَتَعَزَّ مِنْ تَشَاءٍ وَتَذَلْ مِنْ تَشَاءٍ ۝ بِبَيْدِكَ الْخَيْرُ ۝ اَنْكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝  
اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَحَبِيبِنَا وَشَفِيعِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاهْلِ  
بَيْتِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ وَبَعْدُ - قَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وما ارسلناك الا رحمةً للعلَمين (سورة الانبياء آیت ۲۱)

وما ارسلناك الا كافةً للناس بشيراً و نذيراً (سورة سبا آیت ۲۸)

قل يا ايها الناس اني رسول الله اليكم جميعاً (سورة الاحزاب آیت ۱۵۸)

اک زمانہ یہ گواہی دینا چلا آ رہا ہے کہ سرور کائنات رحمۃ للعالمین حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
والہ وسلم کی ہمہ گیر اور آفاقی شخصیت ہر دور، ہر زمانہ، ہر صدی، اور ہر قرن کے لئے باعث رحمت و  
برخیزندہ ہدایت ثابت ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس میں کسی دور یا زمانہ کی تخصیص نہیں، اور نہ ہی  
کشتی خاص طبقہ، گروہ یا جماعت کا اختصاص ہے۔ بلکہ دیکھا جا گیا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کا دور ہو  
یا بیسویں صدی کا، عنقوان اسلام کی گھڑی ہو یا شباب اسلام کی، اہل عرب کے عروج کا دور ہو یا  
اہل عجم کی سر بلندی کا، بے آب و گیاہ چٹیل زمینوں کی بات ہو یا سرسبز و شاداب زرخیز میدانوں کی، ترقی پذیر  
ملکوں کا مسئلہ ہو یا ترقی یافتہ ممالک کی مشکل، دھات کے زمانہ کا قصہ چل رہا ہو یا کہر بائیت کے وقتوں کا  
کفر و ظلمت کی آندھیاں چل رہی ہوں یا شمع اسلام کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں، اللہ کی زمین پر خون انسان  
سے ہوئی کھیلی جا رہی ہو یا احترام آدمیت کا سبق پڑھا جا رہا ہو، چادر مریم کے تار نوچے جا رہے ہوں  
یا تقدیس حوا کا ذکر چل رہا ہو، آرام کی گھڑیاں ہوں یا تکلیف کا وقت، دکھ کے صبح و شام ہوں یا سکھ  
کے شب و روز ہر حالت، ہر کیفیت، ہر مزاج، ہر صورت، ہر طبیعت، ہر صنف، ہر حیثیت اور ہر مقام

کے لئے ذات گرامی ہدایت مہیا کرتی ہے، روشنی دکھاتی ہے۔ اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ رحمتوں بھری یہ ذات ایک بے حد وسیع و عریض ساٹھان کی طرح ہے جو نہ صرف اپنیوں کو محیط ہے، جو نہ صرف نیکوں کو ڈھانپنے ہوئے ہے، جو نہ صرف صالحین کے سروں پر سایہ نکلن ہے، بلکہ جس سے بیگانے بھی فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ جس کے نیچے بڑوں نے بھی پناہ لی اور جس کی برکت سے طالحین بھی عافیت میں رہے۔

وما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم

(اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دینے کا۔ جیکہ آپ ان کے درمیان موجود ہیں)

اس امر کا بین ثبوت ہے۔

اس مجسم شفیقت و رحمت ذات نے صرف حایوں اور پیروکاروں کو ہی خوشخبریاں نہیں پہنچائیں۔ بلکہ خون کے پیاسوں اور دشمنوں کو بھی زندگی کی نوید سنائی۔ آپ نے نیکوکاروں کو ہی اپنے لطف و کرم سے نہیں نوازا بلکہ گنہگاروں پر بھی رحمت کی بارش کی۔ گندگ سے لتھڑے ہوئے انسانوں کو سینے سے لگایا۔ گراہی کے کیچڑ میں پھنسی ہوئی شخصیوں کو نکالا۔ گرتوں کو تھاما۔ ڈنگاتوں کو سنبھالا۔ اس حد تک کہ گھبراندھیرے یا یک روز روشن کی صورت اختیار کر گئے۔ لغزش پا میں گرفتار سیدھی چال چلنے لگے اور راہ سے بھٹکے ہوئے چشم زدن میں ہادی و رہنما بن گئے۔ اس پیاری ذات اور اس کی مومنی سیرت کی یہ خصوصیت پرانے وقتوں سے بیان ہوتی چلی آئی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہوا ہے۔

”اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کا رسول ایک نور ہے جو خدا کی تمام مخلوق کو راحت بخشنے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل اور تدبیر کی روح بخشی ہوئی ہے۔ وہ انشمندی، اعتدالی پسندی اور پرمہیزگاری کی روح بھی دی ہوئی ہے۔ اسے سخاوت اور رحمدلی سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس کے اندر انصاف و زہد و تقویٰ کی روح ہے۔ شرافت اور صبر کی طاقت ہے۔ بسے خدا نے اس میں ولایت رکھا ہے۔ وہ کتنا بابرکت زمانہ ہوگا جب وہ اس دنیا میں آئے گا۔ مجھ پر یقین رکھو کہ میں نے اسے دیکھا ہے اور میں نے اس کا احترام کیا ہے۔ ایسے جس طرح ہر پیغمبر نے اسے دیکھا ہے۔ اس کی روح کو انہوں

نے دیکھا اور ان کو خدا نے پیشین گوئی دی۔ جب میں نے اُن کو دیکھا تو مجھے اطمینان نصیب ہو گیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے محمدؐ خدا آپ کی مدد کرے اور مجھے اس قابل بنا دے کہ میں آپ کی جوتیوں کے تسمے کھول سکوں۔“

(برناباس کی انجیل ص ۱۱۵ آیت ۱۔ ۴۷۔)

بذریعہ اسلام اور دنیا کے مذاہب ص ۱۱۳)

”لیکن جب وہ تسلی دینے والا وکیل آئے گا۔۔۔ وہ سچائی کی روح ہوگا۔ جو خدا کی طرف سے آئے گا۔ وہ میری گواہی دے گا۔“

عصر حاضر میں جبکہ انسانیت ایک دم توڑتی لاش کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ جبکہ عالم انسان جغرافیائی اور نسلی حد بندیوں میں مقید ہو کر رہ گیا ہے جسم، آنکھوں اور بالوں کی رنگت قدر و منزلت کی بنیاد سمجھی جانے لگی ہے۔ کہیں سرمایہ کا بھوت ناچ رہا ہے۔ تو کہیں افلاس کے پہرے ہیں کہیں آجر کی استحصال پسندیاں ہیں۔ اور کہیں بندہ مزدور کے اوقات تلخ کہیں انصاف کی قیمت لگ رہی ہے۔ تو کہیں عزت و عصمت نیلام کے لئے رکھ دی گئی ہے، کہیں تقدیس کا بھرم اٹھ رہا ہے اور کہیں چہروں سے طمع اتر رہا ہے۔ اقتصادوی بلا دستی کے جال پھیلائے جا رہے ہیں۔ دوسروں کی مجبورگی سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ توسیع پسندی کا دور دورہ ہے۔ انسان انسانوں کے لئے خدائی کاروبار دھار رہے ہیں۔ راستے بند کئے جا رہے ہیں۔ فساد، لوٹ مار، غارتگری، قتل، مہار زنی، اکی حوصلہ فزائیاں ہیں۔ طاقت کے بل پر قبضے چکائے جا رہے ہیں۔ دوسروں کو اپنے زیر نگیں رکھنے کے لئے جال پھیلائے جا رہے ہیں۔ جمہوریت کے روپ میں استبدادیت پائے کو ب ہے۔ مساوات کے روپ میں طبقاتیت رواج پا رہی ہے۔ اپنا سر بلند رکھنے کے لئے دوسروں کو سر جھکانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اپنی عزت کے لئے دوسروں کو ذلت و نکبت کا شکار بنا یا جا رہا ہے۔ ایک نفسی نفسی کا عالم ہے۔ ایک حشر پاپے۔ ایک قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ انسان بوکھلائے پھر رہے ہیں۔ ہوش و حواس میں ہوتے ہوئے بھی مدہوش دکھائی دیتے ہیں۔

دسری الناس سکری وما ہم بسکری

(سورۃ الحج آیت ۷۲)



انسان تشنہ کامی سے جان بلب ہے۔ اس کی تشنگی دُور ہونے کا سامان نظر نہیں آتا۔ وہ متلاشی نظروں سے چار سو دیکھ رہا ہے لیکن اسے گوہر مراد ہاتھ نہیں آ رہا۔ وہ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اسے روشنی کی کرن نظر نہیں آتی۔ اسباب تعیش اس کی روح کے لئے نشتر بن رہے ہیں۔ زندگی کی سہولتیں اس کے دل و جان کے لئے سنہری زنجیریں ثابت ہو رہی ہیں۔ وہ من کا سکھ تلاش کر رہا ہے۔ وہ دل کا چین ڈھونڈ رہا ہے۔ رُوح کا سکون طلب کر رہا ہے۔ ذہنی آرام کی بھیک مانگ رہا ہے۔ کیونکہ یہی وہ دولت ہے جو سائنس کی تمام تر ایجاد انگیزیوں، فلسفہ کی تمام تر موشگافیوں، اربابِ علم و فن کی تمام تر نکتہ طرازیوں اور اہل سیادت و سیاست کی تمام تر بیان بازیوں کے باوجود انسان کو میسر نہیں ہے۔ وہ "شانتی کے محل" تو بنا رہا ہے لیکن اس کے من کو شانتی نصیب نہیں۔ وہ گیت اور بھجن تو گار رہا ہے۔ لیکن اس کی رُوح کے تازہ خموش ہیں۔ وہ کتابوں کے اوراق تو الٹ پلٹ رہا ہے لیکن اس کی اپنی کتابِ زندگی کے اوراق پریشان ہیں۔ ایک احساسِ کوفت ہے۔ ایک طرح کی تکان ہے۔ ایک طرح کا قلق ہے۔ ایک قسم کی اکناہٹ ہے جو عصر حاضر کے انسان پر طاری ہے۔ اور وہ اس بوجھ تلے دبا دبا سا نظر آ رہا ہے۔ اس کیفیت سے رہائی پانے کا سب سے مؤثر اور کارگر ذریعہ ایک ہی ہے کہ عصر حاضر کا انسان اس ذاتِ گرامی کا سہارا لے جنکی بدولت زمانے سنور گئے۔ مقدر بن گئے۔ بربادیاں آبادیاں کی صورت اختیار کر گئیں۔ بیماریاں شفا بن گئیں۔ ذہن روشن ہو گئے۔ دل منور ہو گئے۔ آنکھیں پر نور ہو گئیں۔ اور روح پر کیفیت و سرور چھا گیا۔

ذاتِ اقدس کی سیرت پر اس مسئلہ کا حل پیش کرتی ہے۔ جو آج کے انسان کو پیش ہے۔ ہر اس مشکل سے نجات دلاتی ہے۔ جس میں آج کے دور کا انسان مبتلا ہے۔ وہ اس پرکشش آواز پر کان تو لگائے۔ وہ یہ صدا تو سنے۔ کہ اے ہدایت و روشنی کے تلاش کرنے والو۔ ذرا ادھر دیکھو۔ اگر تم استحصال کے ستارے ہوئے ہو۔ تو ان کے دامن میں پناہ لے لو کہ یہاں تمہارا استحصال کوئی نہیں کرے گا۔

تم آجر و مزدور کے بارے میں پریشان ہو تو ان کی تعلیم کو اپنا لو کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے پوری مزدوری ادا کر دو۔ اس کے بعد کیا جھگڑا رہ جائیگا۔

تم عائلی و قریبی تعلقات کے سلسلہ میں متفکر ہو تو ان کے طرز عمل سے سبق لے لو کہ کس طرح ہر شے دار، ہر عزیز، ہر ساتھی اور ہر قرابت دار کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ تم کامل ترین نظام مملکت کی تلاش میں ہو تو ان کے طرز حکومت کو دیکھو کہ جسموں کے ساتھ ساتھ دلوں پر حکومت کیسے کی جاتی ہے۔

تم آدابِ عدل و انصاف سیکھنا چاہتے ہو تو ان کے انصاف کو نوٹ سمجھو، اور ان کے فیصلوں پر غور کرو۔

تم آئین تجارت لکھنا چاہتے ہو تو ان کے لین دین، ان کے کاروبار، اور ان کے معاملات کی نقل کرو۔

تم حاکم و آقا ہو تو ان کے خادموں اور ان کے رفقاء کو دیکھو کہ ان کے سلوک سے کس طرح فیضیاب ہوتے۔

تم کسی ذمہ داری پر فائز ہو تو ان کے احساسِ فرض کو اسوہ حسنہ بناؤ۔

تم سپہ گرو ہو تو ان کی سپہ گری کے انداز اپناؤ کہ دشمن کا خون بھی اتنا ہی بہا جتنا جراح کے نشتر سے مریض کا خون بہتا ہے۔

جہاد کرنے والو! سرکارِ دو عالم کے جہاد کا نقشہ دیکھو۔

قتال کرنے والو! سرکارِ دو عالم کے قتال کی پیروی کرو۔

قرابانیاں دینے والو! سرکار کی قربانیاں ملاحظہ کرو۔

شکستہ دلو! سورہ الضحیٰ پڑھو اور اس پاک دل کی دھڑکنیں بھی سنو۔

انقلابیو! عالمگیر انقلاب کے اس منبع و سرچشمہ کی تعلیمات پر بھی نظر ڈالو۔

وفاکیش رومو! ان کی وفاکیشی پر نثار ہو جاؤ۔

اخلاص و محبت والو! قل ان صلواتی و نسکی و محبای و مساقی لله رب العالمین

کے اعلان پر کان لگاؤ۔

جگرِ نحت نحت والو! اس ثابت قدم کے جسمِ الجہر سے بہتا ہوا خون بھی دیکھو اور

لبِ جان بخشش کی مسکراہٹیں بھی دیکھو۔ دعا کے لئے اٹھتے ہاتھ بھی دیکھو اور جنبش

چشم و آبرو کی غفورین بیاں بھی مشابہہ کرو۔ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں کس قلم میں اتنا یا رہے کہ ذاتِ اقدس کی صحیح صحیح مدح لکھ سکے اور کسی زبان میں اتنی ہمت ہے کہ ذاتِ باریت کی سیرتِ مقدسہ کے ان گنت پہلوؤں کا احاطہ کر سکے۔ اور مجھ جیسے کم مایہ شخص کے لئے تو اتنا ہی اعزاز بہت ہے کہ مدح نویسوں کے قدموں میں جگہ پائے۔ اور سیرت نگاروں کی جو تیاں سیدھی کرے کہ مجھے تو پاسِ اوب لب کشائی کی اجازت نہیں دیتا اور جلالِ ذات آنکھ اٹھانے کی جرأت سلب کئے لیتا ہے۔

اسی لئے اس مبارک تقریب میں شرکت کے لئے ایک ایسے واقع امر کے ارشادات کا سہارا لینے کی جسارت کر رہا ہوں۔ جن کی زندگی سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کامل اتباع سے عبارت رہی ہے، اور جنہوں نے شریعت و طریقت کے ہر کمال کا حصول سیرتِ طیبہ کے صحیح اتباع کے ساتھ وابستہ کر دانا ہے۔ اتباعِ سنت میں ہونے والی فروگزاشتوں کو محرومیوں کی اساس سمجھا ہے۔ اور عشقِ رسول کو دنیا و عقبیٰ میں کامیابی و کامرانی کا زینہ کہا ہے میری مراد شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ جو اپنے شہرہ عالم مکتوبات میں یوں رقمطراز ہیں۔

متن

۱۔ شہسواریکہ تاز بایں میدان آل سرور دنیا  
 و دین و سید اولین و آخرین حبیب رب  
 العالمین است۔ علیہ من الصلوٰۃ اتھا و  
 من التحیات اکملھا۔ و کسے داکہ محض فضل  
 خواہند کہ بایں ولت رسانند اور ابکمال  
 متابعت آل سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 مستحق می سازند و بموسل آل بان فروہ  
 علیامی برند۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ  
 من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم  
 ر مکتوب ۹ حصہ اول دفتر اول

۲۔ اس میدان کے شہسواریکہ تاز حضور حبیب  
 رب العالمین سید اولین و آخرین سرور دنیا  
 و دین میں۔ ان پر پوری پوری رحمتیں ہوں  
 اور کمال ترین تحیات ان پر نازل ہوں جس  
 کسی کو محض اپنے فضل سے اس اعلیٰ نعمت  
 تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس کو سرور کائنات  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے کمال میں ثابت  
 قدم کر دیتے ہیں اور اسی کے وسیلہ سے اس بلند  
 چوٹی تک لے جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص  
 فضل ہے جسے چاہتے ہیں اس کو عطا فرماتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ عظیم فضل کے مالک ہیں۔  
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب  
 العالمین کے محبوب ہیں، جو چیز بھی اچھی  
 اور مرغوب ہے وہ مطلوب محبوب کے لئے  
 ہے۔ اسی لئے حق سبحانہ و تعالیٰ کلام مجید میں  
 فرماتے ہیں و انک لعلی خلق عظیم۔ نیز فرماتے  
 ہیں انک لمن المرسلین، علی صراط مستقیم  
 نیز اللہ تعالیٰ و تقدس نے فرمایا ہے  
 وان هذا صراطی مستقیماً فاتبعوه  
 ولا تتبعوا السبل۔ حضور صلی اللہ علیہ  
 وآلہ وسلم کی امت کو صراط مستقیم کا نام دیا۔  
 اور اس کے سوا کوئی سبیل (مختلف راستوں)  
 میں داخل کر دیا اور اس کی پیروی سے  
 منع فرما دیا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ و  
 السلام نے اظہار شکر کی غرض سے لوگوں  
 کو بتانے کے لئے اور ان کی ہدایت کے  
 لئے فرمایا۔ (بہترین ہدایت محمد کی ہدایت  
 ہے) نیز حضور علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا (میرے  
 رب نے مجھے سکھایا اور بہترین تادیب کی)۔

(مکتوب ۱۱ حصہ دوم دفتر اول)

اس رنگ کو دور کرنے کے لئے بہترین  
 صیقل سنت مصطفویہ کا اتباع ہے۔

(مکتوب ۱۲ حصہ دوم دفتر اول)

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 محبوب رب العالمین است ہر چیز کہ خوب  
 مرغوب است از برائے مطلوب و محبوب  
 است لہذا حق سبحانہ و تعالیٰ در کلام  
 مجید خودی فرماید۔ و انک لعلی خلق  
 عظیم۔ نیز می فرماید تعالیٰ و تقدس  
 انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔  
 نیز فرمودہ تعالیٰ و تقدس وان هذا  
 صراطی مستقیماً فاتبعوه ولا  
 تتبعوا السبل۔ ملت اورا علیہ  
 الصلوٰۃ والسلام صراط مستقیم  
 خواندہ و ماسوائے اورا داخل سبیل  
 گردانیدہ و از اتباع آن منع فرمودہ  
 و آن سرور فرمودہ علیہ الصلوٰۃ و السلام  
 اظہاراً للشکو و اعلاماً للخلق و  
 ہدایۃ لہم (خیر الہدی ہدی  
 محمد) و نیز فرمودہ علیہ الصلوٰۃ و  
 السلام (ادبنی ربی فاحسن تادیب)

۳۔ وہ بہترین مصقلہا درازا کہ آں رنگ

اتباع سنت سنۃ مصطفویہ است۔

۴- ان محمدًا رسول الله سيد  
ولد آدم واکثر الناس تبعوا  
يوم القيامة واکرم الاولين  
والاخرين على الله واول من  
ينشق عنه القبر واول شافع و  
اول مشفع

ولما اظهر الترابية -  
نماند بعضيان کسے درگدو  
کہ وارو چنيس سيد و پشيرو

چوں آل سرور محبوب رب العالمين است  
متابعان او بواسطه متابعت بمرتبه  
محبوبيت ميرسندہ

محمد عربی کا بروئے ہر دو سرا است  
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

(مکتوب ۲۴ حصہ دوم دفتر اول)

۵- فقد سعادت دارين ممنوط بتابعيت سيد  
كوفين است عليه وعلى اله الصلوات  
والتسليمات اتمها واکملها۔

(مکتوب ۲۵ حصہ دوم دفتر اول)

۶- پس اطاعت رسول عين اطاعت حق

پس رسول کی اطاعت بالکل اطاعت

بیشک حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم اولاد آدم کے سردار ہیں۔ قیامت کے دن حضور  
کے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔  
اللہ تعالیٰ کے اولین و آخرین میں سب سے زیادہ اکرم  
ہونگے۔ سب سے پہلے آنحضرت کی قبر مبارک  
کھلے گی۔ آپ سب سے پہلے شافع ہوں گے اور  
سب سے پہلے آنحضرت کی شفاعت مقبول ہوگی۔۔۔ اگر  
حضور نہ ہوتے تو خدا تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ فرماتا  
اور نہ ہی ربوبیت کو ظاہر فرماتا۔

کوئی آدمی بھی گناہوں میں مبتلا نہیں رہ سکتا  
جس کو اس طرح کا آقا پیش رو اور ہادی میر ہو

چونکہ حضور محبوب رب العالمین ہیں ان کی  
پیروی کرنے والے پیروی حضور کی بدولت  
محبوبیت کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔

محمد عربی جو دونوں جہانوں کی آبرو ہیں  
جو انکے دروازے کی خاک نہیں اس کے سر پر خاک ہو

دونوں جہانوں کی سعادت سید کوفین علیہ الصلوٰۃ  
والتسليم کی پیروی کے ساتھ وابستہ ہے

حق ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعتی خلافت رومی بالکل معصیت حق تعالیٰ سے ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ ہم بے کم و سامان مفلسوں کو سید الاولین و الآخین کے اتباع کی دولت سے رجحانی محبت کی وجہ سے اپنے ذاتی و صفاتی کمالات کو معرض ظہور میں لائے اور جن کو تمام کائنات میں بہترین خلق کیا، مشرف فرمائے اور اس پر استقامت بخشنے کہ اس پسندیدہ پیروی کا ایک ذرہ دنیا کی تمام لذتوں اور آخرت کی تمام نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے فضیلت ان کی سنت سینہ کی پیروی سے وابستہ ہے۔ اور ترقی ان کی شریعت کو رواج دینے پر منحصر ہے۔

السلام التحیۃ۔ و مکتوب ۱۱۴ حصہ دوم دفتر اول

مثلاً دوپہر کو سونا جو اس متابعت کی بنا پر ہو۔ کہ وڑوں راتوں کو جاگ کہ گزارنے سے بہتر ہے جو متابعت کے سوا ہو۔ اسی طرح عید فطر کے دن روزہ نہ رکھنا جس کا حکم شریعت مصطفوی نے دیا ہے۔ لگاتار اور ہمیشہ ہمیشہ کے روزوں سے بہتر ہے جو شریعت میں نہیں

آمد سبحانہ و غلات اطاعت اوصلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم عین معصیت او تعالیٰ۔  
و مکتوب ۵۰ حصہ دوم دفتر اول

۴۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ما مفلسان بے سرو برگ را بدولت اتباع سید الاولین و الآخین کہ بظیفیل دوستی او کمالات اسمائی و صفاتی خود را در عرصہ ظہور آورد اور بہترین جمیع کائنات خلق کہ و علیہ من الصلوٰت افضلها ومن التسلیات اکملها مشرف گردانا دو برآں استقامت بخشاد کہ ذرہ این متابعت مرضیہ از جمیع تلذذات دنیاوی و تنعمات اخروی براتب بہتر است فضیلت منوط بتابعت سنت سننیہ اوست و مزیت مربوط بتابعت شریعت او علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و

السلام التحیۃ۔ و مکتوب ۱۱۴ حصہ دوم دفتر اول

مثلاً خواب نیمروزی کہ از روئے این متابعت واقع نشود از کہ رو کر و راجحاً لیالی کہ ناز متابعت است اولے و افضل است و ہمچنین اقطار یوم فطر کہ شریعت مصطفوی بآں امر فرمودہ است از صیام ابد الابد کہ نہ ماخوذ

از شریعت اند بہتر است اعطائے  
جینے ہاں شرع از انفاق کوہ زر کہ  
از تو خود باشد فاضل تر است۔  
ایک پائی شارع کے حکم پر خرچ کرنا اپنی مرضی  
سے سونے کا پہاڑ خرچ کر دینے سے کہیں  
زیادہ ہے۔

(صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲)

۸۔ التَّحَلِّيُّ بِالْمَعْرُوفَاتِ لِلْعَنُوتِ لَا  
يَتِيَسَّرُ إِلَّا بِكَمَالِ الْاِتِّبَاعِ الْمَصْطَفِيِّ  
عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ  
فَعَلَيْكُمْ بِاِتِّبَاعِهِ وَاطَاعَتِهِ فِي اَو  
اَمْرَةٍ وَنَوَاهِيهِ وَكَمَالِ مَتَابَعَتِ  
فِرْعَ كَمَالِ مَحَبَّتِ اسْتِ بَا نَسْرُود  
عَلَيْهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔  
روکتوب ۱۶۵ حصہ سوم دفتر اول

روحانی میراث سے فیضیاب ہونا عیسر  
نہیں آسکتا رسول اتباع مصطفیٰ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے پس تم پر  
لازم ہے کہ ان کی اتباع کرو۔ اور تمام  
اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کرو۔  
کیونکہ متابعت کا کمال حضور صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے کمال کا نتیجہ  
ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النور کی جو خوبیاں بیان کی ہیں۔ اور متابعت سنت  
نبوی کی بدولت جن کمالات تک پہنچنے کی نوید دی ہے۔ وہ کسی خاص دور یا عصر تک محدود نہیں  
بلکہ آج کے دور کے لئے بھی اتنی ہی برحق ہے۔ جتنی کل تھی۔ کیونکہ ہے

فیض روح القدس از باز در و فراید  
یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً۔ (سورۃ الاحزاب۔ آیت ۲۲)

یا رب صل وسلم دائماً ابداً

علی حبیبک من زانت بہ العصر

اے پروردگار اپنے حبیب پر ہمیشہ ہمیشہ رحمت و سلام نازل فرما جن کی بدولت زمانے سنور گئے

# سیرت مقدّسہ کا ابدی پیغام

پروفیسر عبد الجبار شیخ صد شوبہ اسلامیات جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ

## سیرت کا مفہوم

نعت عرب میں لفظ سیرت "سار" سے اسم ہے جس کے معنی آتے ہیں سنت طریقہ مذہب ہیئت جب کہتے ہیں کسی شخص کی سیرت تو مراد ہوتا ہے۔ اس کے اعمال کا صحیفہ اور لوگوں کے درمیان اس کے سلوک کی کیفیت و حالت نیز اس کی عام روش اور عادت۔

اصطلاح شریعت میں سیرت ایک خاص لفظ ہے۔ جو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے پاکیزہ صحیفہ زندگی کو کہتے ہیں۔ کہ جس میں سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی ایک ایک جھلک ہر کیفیت اور حالت کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ سیرت آپ ہی کے اقوال طیبہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کا نام ہے۔

## حضور کا مرتبہ کمال

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کے اعلامیہ میں جہاں اللہ رب العزت نے تکمیل دین کی بشارت دی ہے۔ وہاں پر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ کمال کا بھی اعلان فرما دیا کہ یہ وہ مبارک مستی ہے جس کی سیرت مطہرہ میں ایک جامع اور کامل صحیفہ نیروانی انسانوں کی تقلید کے لئے موجود ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اس دنیا میں آئے کچھ صاحب جمال نھے اور کچھ صاحب جلال کہ ہر کوئی انسانوں کو اپنے جمال و جلال سے بہرہ ور کرتا رہا لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جمال و جلال دونوں میں کمال کے مرتبہ پر فائز ہو کر تشریف لائے اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کمال ہیں اور خالق کمال کا خصوصی نمونہ اور ماڈل کہ جن کے بارے میں حضرت حسانؓ فرماتے ہیں۔



واحسن منك لم ترقط عینی واجبل منك لم تلد النساء

## سیرتِ مُقَدَّسہ کی ابدیت

آپ کے مرتبہ کمال کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ کی سیرت مطہرہ پوری جامعیت اور کمالیت کے ساتھ آغاز سے لیکر آج تک موجود اور محفوظ ہے اور ایسے مستقل عوامل بروئے کار ہیں کہ ابد تک آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ موجود اور محفوظ رہے گا۔ نہ اسے آج تک کسی قسم کی آج آئی اور نہ ہی قیامت تک اس کے صرف نظر ہونے کا کوئی بھی اندیشہ ہے۔ حالانکہ انبیاء کے جس قدر نفوس قدسیہ اس دنیا میں تشریف لائے ہیں آپ کے علاوہ کسی کی سیرت آج محفوظ نہیں بلکہ سرے سے موجود بھی نہیں۔ اگر کچھ چیزیں ہیں بھی تو وہ صرف چند اشارے کچھ ہدایات اور کچھ احکام ہیں جو آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ ورنہ مفصل حالات نظروں سے بالکل اوجھل اور محفئی ہیں۔ آج اگر ہم یہ چاہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہو۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کے حالات از آغاز تا انجام ہمیں پوری طرح معلوم ہو جائیں تو یہ بات بالکل ناممکن ہے۔ حالانکہ یہ تو وہ انبیاء ہیں جن کے نام نامی مشہور ہیں اور قرآن میں بھی ان کا ذکر ہے۔ ہزاروں انبیاء ایسے ہیں کہ تاریخ میں ان کا نام تک بھی نہیں لانے اور انبیاء گزرے میں کہ کسی کی سیرت اور کسی کی شریعت آج محفوظ نہیں برخلات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کی ایک ایک ادا محفوظ ہے۔ اور ابد تک محفوظ رہے گی۔

## سیرت کی ابدیت کے چار بڑے عوامل

سیرت کی ابدی حفاظت کے چار بڑے عوامل ردیکار ہیں جو حضور و سرکانات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے ابدیت کا لازوال پیغام ہیں :-

- |                         |                         |
|-------------------------|-------------------------|
| نمبر ۱۔ قرآن            | نمبر ۲۔ روایات          |
| نمبر ۳۔ اہل علم کے سینے | نمبر ۴۔ تعین سنت کا عمل |

## قرآن سیرت کا اولین سرچشمہ

جب حضرت صدیقہ عایشہؓ سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے آپ کی

سیرت کیونکر تھی تو آپؐ نے فرمایا کہ ”وكان خلقنا القرآن“ آپ کی سیرت دیکھنی ہو تو قرآن کو دیکھ لو اول سے لے کر آخر تک قرآن پڑھ جاؤ۔ یہی آپ کا علم ہے، یہی آپ کا عمل ہے اور یہی آپ کے احوال ہیں۔ گویا کہ قرآن سیرتِ مقدّسہ کا اولین سرچشمہ ہے۔

## قرآن کریم تو انتر کے ساتھ محفوظ ہے

جہاں تک قرآن پاک کی حفاظت کا تعلق ہے یہ کتاب ایک حدیثِ منوانزہ ہے جس کا ایک ایک حرف محفوظ، اعراب محفوظ، زیر و زبر تک سب محفوظ، رکوع الگ گئے ہوئے حروف گئے ہوئے سورتیں گنی ہوئیں حتیٰ کہ محدثین نے اعراب تک گن رکھے ہیں۔ اس قدر تو انتر کے ساتھ اور سند اور تاریخ کی حیثیت سے متصل کتاب۔ آج تک دنیا کے کونے میں موجود نہیں پھر یہ کہ حق تعالیٰ نے اس کی حفاظت محض کاغذوں سے نہیں کرائی بلکہ اُمت کے سینوں کو اس کی حفاظت گاہ بنایا جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم

(بلکہ وہ کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں موجود ہیں)

اس کی حفاظت گاہ مسلمانوں کے قلوب کو قرار دیا گیا جہاں نہ کوئی ڈاکو پہنچتا ہے نہ کوئی چور اور نہ ہی شیطان کا اثر غالب ہو سکتا ہے۔ کاغذ جل سکتے ہیں، لکھنے والے بدل سکتے ہیں لیکن قلوب میں جو چیز محفوظ ہے نہ جل سکتی ہے نہ بدلتی ہے اس لئے جب قرآن نبی کریم کی سیرت کا نام ہے تو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ سیرتِ مقدّسہ بھی قلوب میں محفوظ ہے۔ کاغذوں میں نہیں، بلکہ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ اور ایک ایک ذرّہ تک محفوظ چلا آتا ہے اور یہ جو ہزاروں کی تعداد میں قرآن کریم کی تفسیریں لکھی گئی ہیں یہ سیرتِ مطہرہ کی تفسیریں ہیں جو تیرہ سو برس سے چلی آرہی ہیں اور کتب خانے ان سے بھرے پڑے ہیں۔

تو جس طرح قرآن کے قطعی ہونے میں کوئی کلام نہیں اسی طرح اس کے سیرتِ مطہرہ کی قطعی تفسیر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔ خاص طور پر جب جبرئیل علیہ السلام بیچ میں ہیں اور یہ کتاب مروی عن الحق ہے اور اس کی روایت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتی ہے تو اس کے معنی برحق ہونے میں بھی کوئی شق نہیں کیونکہ اللہ کا نام بھی امین ہے جبرئیل کا لقب روح الامین ہے اور حضور کا

کالقب بھی امین ہے۔ امین سے روایت چلی امین کے ذریعہ پہنچی اور امین تک پہنچی تو تین امانتداروں کے ہونے کی بنا پر اس کی قطعیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اس لئے فرمایا کہ

انہ لتول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین

راوی قابل اعتماد ہے منشاء خداوندی کا پیرو کار ہے۔ پالیسی کو من وعن پہنچاتا ہے۔ کریم النفس ہے، اس کے ساتھ طاقت ور بھی ہے، دینے والا نہیں دوسرے کلام نہیں سن رہا۔ بلکہ عرش کے پاس متمکن ہے اور ٹھیک ٹھیک سن کر پہنچا رہا ہے اسی لئے حدیث پاک میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کلام فرماتے ہیں تو تمام ملائکہ ہیبت سے بیہوش ہو جاتے ہیں سب سے پہلے جو ہوش میں آتے ہیں وہ جبرئیل ہیں ملائکہ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا فرمایا حق تعالیٰ نے اس لئے کہ سب سے زیادہ کلام کو محفوظ کرنے والے وہی ہوتے ہیں نیز فرمایا کہ جبرئیل کم حیثیت والے نہیں ہیں۔ بلکہ رتبے میں بہت بلند ہیں کیونکہ تمام ملائکہ ان کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ سارے فرشتوں کے سردار ہیں اس واسطے ان کی روایت پر اعتماد کیوں نہ ہو۔ پھر فرمایا۔

من اصدق من اللہ قیلاً من اصدق من اللہ حدیثاً

کہ اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے

تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ قرآن کے بارے میں فرمایا ہے میں کہ سچے کا کلام ہے سچے کے ذریعہ آیا ہے سچے تک پہنچا ہے۔ اس لئے اسے مانو۔ تو دلائل سے منوایا دباؤ سے نہیں منوایا۔ تو جس طرح قرآن دلائل پر مبنی اسی طرح اس کا سیرت ہونا بھی دلائل پر مبنی اور قطعی طور پر واضح ہے۔

## حفاظت قرآن اور حفاظت سیرت کا قرآنی استدلال

جب حق تعالیٰ شانہ نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے الفاظ سے قرآن کی حفاظت کا وعدہ دیا تو یہ وعدہ یکساں طور پر سیرت مقدسہ کی حفاظت کے لئے بھی تھا۔ کیونکہ ان دونوں کی حفاظت اس نے ہم پر نہ چھوڑی بلکہ اپنے ذمہ لے لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن اور سیرت ہر لحاظ سے محفوظ ہیں۔ جب کہ گزشتہ امتوں کے انبیاء کی سیرت اور ان کی الہامی کتابوں کی حفاظت

تو درکنار کئی ایک کا نام و نشان تک آج موجود نہیں اس لئے اگر قرآن کی حفاظت بھی ہم پر چھوڑتی تو اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو توریت، انجیل کا اور ان کے لانے والوں کا ہوا اس لئے کہ ان کی حفاظت ان کی امتوں کے سپرد کی گئی تھی۔ جیسا کہ فرمایا۔

انا انزلنا التوراة فیہا ہدًی و نور میکم بہا النبیین الذین اسلموا  
للذین ہادوا والذین یون والاحبار بما استمفظوا من کتاب اللہ  
لیکن اس کے برخلاف قرآن اور صاف قرآن کی سیرت کی حفاظت کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے  
لیا اور فرمایا کہ ہم ہی نے اسے اتارا ہے اور ہم ہی کے ذمہ ہے اس کی حفاظت۔

## ابدیت سیرت کا دوسرا اہم عامل

ابدیت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا سب سے بڑا عامل یہ ہے کہ آپ کی زندگی کی ایک ایک ادا روایات میں بھی محفوظ ہے سند متصل اور سند صحیح صحیح کے ساتھ محدثانہ طریقے سے اور روایت کے طور پر اور وہ بھی راویوں کے احوال اور ان کے پورے کردار کے ساتھ غرضیکہ ہر لحاظ سے آپ کی سیرت کلیتہً محفوظ ہے۔ اور چونکہ سب سے پہلی بات سند ہی ہوتی ہے جو کہ عقلی چیز نہیں بلکہ نقل کی جانے والی شے ہے جس میں اسناد روایت کی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور سند میں رجال پیش نظر ہوتے ہیں تاکہ روایت کرنے والے مشتبہ نہ ہوتے پائیں اس لئے اسماء الرجال کے مبسوط فن تحقیق کے ساتھ سیرت مقدسہ کا ہر پہلو احادیث میں کاملاً محفوظ ہے۔

بلکہ صحاح ستہ کتب احادیث مغازی کی کتابیں تاریخی دستاویزات کتب دلائل کتب شمائل مکہ و مدینہ کے حالات پر مبنی کتابیں سب کی سب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ہی کا علمی سرمایہ ہے۔ جو لاکھوں کی تعداد میں لکھی گئی ہیں۔

## اہل علم کے سینوں کا ذخیرہ جاودانی

قرآن و حدیث کے علاوہ ہر دور میں اہل علم کے سینے سیرت مقدسہ کی حفاظت کا زندہ جاوید خزانہ رہے ہیں کہ امت میں سلف صالحین مقدسہ کی حفاظت کا زندہ جاوید خزانہ رہے ہیں کہ امت

میں سلف صالحین کے بعد خلف صالحین سینہ بہ سینہ سیرت مقدسہ اور علوم نبویہ کو نسلاً بعد نسل تازہ بہ تازہ آگے پہنچاتے چلے گئے ہیں اور آئندہ بھی قیامت تک کے لئے یہ فریضہ سرانجام دیتے جائیں گے اسی لئے فرمایا۔

يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ خَلْفٌ يُنْفُونَ عَنْهَا تَحْرِيفَ الْعَالِيَيْنِ

وَأَنْتَحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَمَا وَبِيلِ الْجَاهِلِينَ

کہ ہمیشہ اس امت میں سلف کے بعد خلف پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو اس علم کو حاصل کرتے رہیں گے جو سلف کا علم ہے۔ اور اس علم کی روشنی سے غلو کرنے والوں کی تحریفات کا پردہ چاک کریں گے اور غلط کاروں کی ضرر بافیوں کی اصلاح کریں گے اور جاہلوں کی رقیق سے تعبیرات کو کھول کر رکھ دیں گے اس واسطے حقیقت یہ ہے کہ اس امت میں علم کا تسلسل ہر دور میں قائم رہے گا۔ جو بھی علم لینا چاہے گا وہ جہالت میں نہیں رہے گا۔ رب تعالیٰ اس کے لئے علم کے دروازے کھول دے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

یعنی جو ہمارے رستے میں جدوجہد کرے گا اور حق تلاش کرتے کی سعی و کوشش کرے گا

تو ہم ضرور اسے حق کا رستہ دکھلائیں گے۔

میں "ل" تاکید ہے یعنی ہم بالضرور و مہمناوی کریں گے۔

اور وہ یقیناً حق سے فیض یاب ہوگا۔ تو جس طرح قرآن کے ذریعہ اور احادیث کے ذریعہ

سیرت مقدسہ کی حفاظت کا وعدہ ہوا اسی طرح ہر دور میں اہل علم کی ایک جماعت کا بھی وعدہ ہوا جن کے سینوں میں علم نبوی تازہ بہ تازہ محفوظ ہوگا۔ جن کا علم خود ساختہ نہیں ہوگا قوت مطالعہ اور سوچ بچار کا علم نہیں ہوگا۔ بلکہ اوپر سے سند لے کر وہ اس طرح علم کو حاصل کریں گے کہ الفاظ معنی کیفیت تعبیرات بلکہ ذہن تک سلف صالحین سے حاصل کریں گے اور اپنے پاس سے صرف جہد کوشش یعنی اجتہاد کا حصہ ڈالیں گے کہ جس کے نتیجہ میں انہیں برپیش پا افتادہ مسئلے کا حل سیرت مقدسہ کی صورت میں سامنے کھلا ل جائے گا۔ کہ جس کی بنا پر وہ ہرگز کسی قسم کے شک و شبہ اور تحجر میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

## متبعین سنت کا عملی مظاہرہ

سیرتِ مظہرہ کی حفاظت کا چوتھا سب سے بڑا عامل ہر دور میں متبعین سنت کا مظاہرہ عمل ہے، کہ ہر زمانہ میں ایسے علماء و صلحاء پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا عمل ہی سنتِ نبوی کا واضح ثبوت ہے۔ گویا کہ اس طرح سیرتِ پاک قرآن و سنت کے علاوہ تنوعِ سنتِ شخصیتوں کے ذریعہ بھی محفوظ ہے۔ اور محفوظ رہیگی اس واسطے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ قیامت آنے تک امت میں ایک جماعت حق پر آتی رہے گی۔ جن کی موجودگی سے حق کبھی منقطع نہیں ہوگا سچنا سچہ فرمایا:-

لا تذل طائفة من امتی ظاہرین علی الحق حتی یأتی امر اللہ

بلکہ ایک اور مقام پر یوں فرمایا کہ

لا تذل طائفة من امتی منصورین علی الحق لا یضرهم من خذلهم ولا من

خالفهم حتی یأتی امر اللہ

امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر رہے گی۔ جن کی اللہ کی طرف سے مدد کی جائے گی اور ان کی مخالفت کرنے والا یا ان کو روکنے والا انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اس واسطے ہزار ہا علماء و محدثین حکماء اور ائمہ جو متبعین سنت گزرے ہیں ان کا عمل اسی طرح سے چلا آ رہا ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ صرف کمی پیشی کی بات ہے۔ نوعیت ایک بھی ہے تشخصات کا فرق ہو سکتا ہے۔ حقیقت ایک ہی ہے اس لئے آج بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو اتباعِ سنت کی دلیل ہیں۔ اور ایک ایک معاملہ میں اور ایک ایک حالت میں سنت کی پیروی کا رہیں۔ تاریخ بتاتی ہے اور خاص طور پر علمائے ہند کا شاندار ماضی گواہ ہے کہ پچاسیاں کھڑی نہیں لیکن پھر بھی اتباعِ سنت میں فرق نہیں آیا۔ غرتبیکہ چودھواں سو سال کی تاریخ ایسی ہزاروں مثالوں سے الٹی پڑی ہے کہ ہر زمانے میں سنت پر ڈٹ کر چلنے والے اور سیرت پر عمل پیرا ہونے والے اس قدر کے تعداد میں توازن سے موجود رہے کہ ان کا اتباع ہی سیرتِ مقدسہ کی عملی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ بلکہ آج بھی ایسے صالحین موجود ہوں گے جن کے عمل کو ہی دیکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ سیرتِ پاک میں بھی ہے۔

## سیرت کے مطالعہ کے لئے بصیرت لازم ہے

الغرض سیرت مقدسہ قرآن میں روایات میں اہل علم کے سینوں اور متبعین سنت کے عمل میں ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اس کے مطالعہ کے لئے اندرونی بصیرت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی کج بختی کا شکار ہو کہ حقیقت کی آنکھیں بند کر لے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ وہ محض تشکیک کی تاریکیوں میں کھو جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا :-

الذین فی قلوبہم زلیغ فیتبعون ما تشاہد منہ ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله  
کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ہر اس چیز کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو متشابہ ہے تاکہ گمراہی  
پھیلا دیں اور مطلب معلوم کریں

اس واسطے اگر توجہ کی جائے اور اتباع سنت کا جذبہ بھی ہو نیز اسوہ حسنہ کی پیروی اور سیرت مقدسہ کو اپنانے پر یقین ہو تو ہر کوئی سیرت کو ہر لحاظ سے تواتر کے ساتھ محفوظ پائے گا۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لے اور حقیقت حال کو سمجھنے سے قاصر رہے تو ایسوں کے لئے فرمایا :-

فانہا لا تعسی الابصار وکن تعس، القلوب التي فی الصدور  
کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ دل ہی اندھے ہو جاتے ہیں کہ وہ حق کی بات سمجھ ہی نہیں سکتے

## سیرت مقدسہ کے اثرات عملی جزئیات پر رہنا ہونے چاہئیں :-

سیرت چونکہ عملی چیز ہے اس کا تعلق بھی زیادہ تر عملی جزئیات سے ہے۔ اور جزئیات عمل روزمرہ کے معمولات سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ حرکات و سکنات اخلاق و عادات اقوال و احوال نشست و برخاست خلوت و جلوت افراد و اجتماع زندگی کے وہ زاویے ہیں جن سے اعمال کے اجزائے مرتب ہوتے ہیں ان ہی زاویوں کی تہذیب و ترمیم کا نام انسانیت ہے۔ ان ہی کے صحیح رخ سے انسان حیوانوں کی صفت سے نکل کر میرا اور ممتاز نظر آنے لگتا ہے اور ان ہی پر سیرت مطہرہ کا نافذ ہونا لازمی امر ہے کیونکہ یہی وہ معمولات میں جن پر سنت کی گہری چھاپ ہونی چاہیے۔ ورنہ کلیات و اصول کا تعلق تو قانون ساری ہوتا ہے۔ جو زیادہ تر بیان و تشریح کے قابل ہوتے ہیں۔ اور صرف جزئیات کے ذریعہ

ہی عملی صورت اختیار کرتے ہیں اس واسطے ضروری ہے کہ اتباع سنت سے جزئیات کا ایسا ڈھانچہ تیار ہو جو سیرت نبوی کے عین مطابق اور اس کا سچا پرتو ہو۔ ورنہ کلیات کا علم تو ہر ایک کے لئے ضروری نہیں کیونکہ یہ علم فرض کفایہ ہے۔ جہاں پر اتباع سنت فرض عین ہے جس سے کسی مسلمان کو فرار نہیں۔ امت میں چند ہی علماء ہوں گے لیکن تبع سنت ہونا ہر ایک کے واسطے ضروری ہوگا۔

## وقت کی اہم ضرورت سیرت مقدسہ کا عملی پیغام

دور حاضر کی اہم ترین ضرورت بھی ہے کہ سیرت مطہرہ کے عملی پہلو کو ہر زاویہ زندگی میں اجاگر کیا جائے اور اس کے لئے کلیات دین کے علاوہ عمل میں بھی امت مسلمہ کی سیرت سازی کا منصوبہ بنایا جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ متبعین سنت کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جائے جو عوام کے لئے سیرت مقدسہ کا خالص نمونہ بن کر سامنے آئے۔ اور تعلیمی اداروں سے لے کر قومی ذرائع ابلاغ تک ہر مقام پر ایسے متبعین سنت کو کھڑا کر دیا جائے جو امت مسلمہ کے ہر فرد کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر بنا دیں اور جو کچھ کہیں وہ عطا کر کے بھی دکھا دیں بلکہ قول سے پیشتر عمل کا پریکٹیکل سامنے رکھ دیں تاکہ مخاطب کو کم کہنے اور زیادہ کرنے کی تربیت ہو۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی امت کو سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جس سے ہم غافل ہیں۔

## سیرت سازی کے منصوبہ کیلئے ضابطہ عمل

عالمی سطح پر امت مسلمہ کی سیرت سازی کے لئے جو منصوبہ تیار ہو اس کے لئے تین چیزیں نہایت

ہی ضروری ہیں۔

وحی کے قرآنی الفاظ کے ساتھ معانی بھی وحی کی زبان سے ہی لئے جائیں:-

جہاں سے قرآنی آیات کی تفسیر قطعی طور پر میسر آتی ہے۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ وسلم نے بھی

قرآن کے بارے میں کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اس لفظ کے کئی معنی ہیں مناسب حال ایک کو اختیار کر لو بلکہ آپ

منتظر رہتے تھے کہ حق تعالیٰ کیا مراد میں قلب پر فاروق فرماتے ہیں بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پوچھتے

کہ آیت کے معنی کیا ہیں۔ تو آپ فرماتے کہ مجھے معلوم نہیں کہ مراد کیا ہے پھر فرماتے استفتیت ذبی



فافتانی کہ میں نے اپنے رب سے استغناء کیا تو میرے رب نے مجھے فتویٰ دیا کہ یہ معنی بیان کرد  
چنانچہ وہی معنی مراد ربانی ہوں گے جنہیں خود حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وارد فرمایا  
اور اپنے صحابہ سے بیان کیا۔ کیونکہ آپ جہاں پر الفاظ میں امین ہیں۔ وہاں پر معانی میں بھی امین ہیں۔ اور  
جیسے آپ پر الفاظ نازل ہوئے وہاں پر معانی کا نزول بھی ہوا۔ حق تعالیٰ کی جانب سے وحی کی حج و  
حفاظت کا حال یہ ہے کہ فرمایا۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به، کہ لے پیغمبر (اس خیال سے کہ آپ بھول نہ جائیں)  
جلدی نہ کیا کریں۔ انا علینا جمعہ وقرآنہ ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اسے جمع بھی کر دیں  
اور پڑھوا بھی دیں۔ (علیٰ کا لفظ لازم کرنے کے لئے آتا ہے) واذ اقرآناہ فاتبع قرآنہ جب  
ہم پڑھیں یا ہمارا فرشتہ پڑھے تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کریں آپ کو کوئی خطہ نہیں ہونا چاہیے  
کہ کوئی لفظ رہ جائے گا۔ پھر فرمایا ثمان علینا بیانہ کہ ہمارے ہی ذمہ ہے اس کے معانی اور مراعات  
کو سمجھانا۔

جہاں پر پڑھنے کا تعلق الفاظ سے ہے وہاں معانی و مرادات بیان سے متعلق ہے تو اللہ نے  
جس طرح الفاظ اتارے ہیں ویسے ہی آپ پر معانی بھی نازل کئے گئے ہیں۔ الفاظ کے معانی لغت  
سے نہیں لئے گئے۔ شریعت سے لئے گئے ہیں۔ جیسا کہ لفظ صلوة کا معنی لغت میں دُعا کا ہے لیکن  
شریعت میں دُعا کے پورے نظام کو صلوت کہتے ہیں۔ صرف دُعا کرنے سے لغت کا تقاضا تو پورا  
ہو جاتا ہے لیکن جب تک نماز کے تمام تر افعال خاصہ کو سجا نہ لائیں اس وقت تک قرآن کا منشاء پورا  
نہیں ہوتا یہی کیفیت اسلام میں تمام تر عملی زندگی کی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ قرآن جو دکھی انسانیت کے لئے نسنخہ کیا ہے اس سے  
بہرہ یاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طبیبِ عظیم کی تشخیص و تجویز کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اسی  
لئے حق تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ پیغمبر اسلام کو بھی بھیجا کہ جہاں کتاب شفاء لما فی الصدود  
ہے وہاں پر نبی کی ذات گرامی مریضیاں نفوس کے لئے آخری امید گاہ بھی ہے۔ کہ جہاں پر مرض پہچان  
کہ اور مزاج معلوم کر کے صحیح علاج تجویز ہوتا ہے۔

قرآن نے نبی کی تجویز و تشخیص کو بھی وحی قرار دیا اور فرمایا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

کہ آپ کا نطق بھی آپ کی اپنی مرضی سے نہیں وہ تو صرف وحی الہی سے ہی ہوتا ہے۔

## علماء و صلحاء کی جماعت کا قیام

وحی کے قرآنی الفاظ اور وحی کے معانی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ سامنے ایسی شخصیت بھی موجود ہو جو قرآن کا حقیقی منشا ہے۔ بالفاظ دیگر علماء و صلحاء کی صورت میں ایسی جماعت کا ہونا لازمی ہے جن سے وحی کا عملی تشخص اور تعین ہو سکے۔

معاشرے میں تمام وہ ادارے جو افراد پر برائے راست یا بالواسطہ اثر انداز ہو سکتے ہوں۔ ان میں ایسے کارکن متعین کے جانے چاہئیں جن کا عملی معیار اس پایہ کا ہو یا وہ قرآن و سنت کے عملی تشخص کو اپنانے کا عزم بالجزم رکھتے ہوں۔ ورنہ بصورت دیگر اصول و ضوابط کو نافذ کرنے کا مہار کام بحران کا شکار ہو جائے گا اور کلیات دین جزئیات عمل کی سطح پر آکر منہدم ہو کر رہ جائیں گے۔ اس واسطے لازمی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے با اختیار اہل کاروں میں لے کر نیچے تک یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین ساتھ سے لے کر پرائمری کی سطح تک اور سماجی بہبود کے کارڈوں اور اندرون و بیرون ملک کے تمام تفرصوں کو اسی رنگ میں رنگ دیا جائے کہ وہ صبغتا اللہ و من احسن من اللہ صبغتا کے مصداق اتباع سنت کی پابندی کو اپنا بہترین نصب العین خیال کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تقویٰ اور خشیت الہی معاشرے کی ہر سطح پر زندگی کا ایک اہم عنصر بن جائے گا۔

## ذہنی تربیت اور موافق ماحول

سیرت سازی کے عظیم نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ مخاطب کی ذہنی تیاری اور تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ نیز معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس سے اذہان خود بخود سیرت کے سانچے میں ڈھلتے چلے جائیں۔ اور کہیں سے بھی معاشرے کے افراد کی جانب سے مزاحمت کا سامنا نہ ہو۔

اس لئے لازم ہے کہ تمام وہ عناصر جو سنت کے اتباع کے رستہ میں منفی طور پر اثر انداز

ہو سکتے ہیں۔ انہیں سنت کے منشاء کے مطابق از سر نو منظم کیا جائے۔ اور ان کی تمام تر خلاف سنت مگر مریوں پر قدغن لگا دی جائے تاکہ معاشرہ بے لگام نہ ہونے پائے بلکہ ایسا ماحول بپا ہو جائے جو اتباع سنت کے موافق اور سیرت مقدسہ کے نفاذ کے لئے معاون ہو۔ اس لئے ضروری ہوگا کہ تمام تر ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سینما وغیرہ کے نظام کو اصلاحی اور تعمیری مقاصد کے لئے حرکت میں لایا جائے۔ تعلیمی اداروں کے ماحول کی اصلاح کی جانب خصوصی توجہ کی ضرورت ہوگی۔ اساتذہ کے کردار کو سیرت پاک کے مطابق ڈھالنے کی مخلصانہ کوشش کی جائے۔ نیز یہ اصلاح احوال کا کام فقیر اسلام کے موجودہ معاشی معاشرتی قانونی اور سیاسی بنیادوں پر جاری ہونے والے تمام تر منصوبوں کے ساتھ متوازی سطح پر کیا جانا چاہئے تاکہ انتظامی طور پر قانون سازی اور نفاذ اسلام کے اصولی ضابطے عملی جزئیات تک کی اصلاح کا باعث بنتے جائیں اور پندرہویں صدی کے آغاز پر نظام مصطفیٰ کی نفاذ کا جو تجربہ جو مملکت خداداد میں کیا جا رہا ہے حقیقی کامیابیوں سے ہم کنار ہو۔

## وقت کا اہم تقاضا

اسلام زندگی میں سنت مطہرہ کے عملی اہتمام کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ سیرت مقدسہ کی اشاعت و ترویج کا بھی پوری طرح سے اہتمام کیا جائے۔ اور ایسے مسودے تیار کرانے جائیں جو نہایت آسان اور سادہ طریقے پر سیرت النبی صلعم کو ہر فرد اور مسلمان کے سامنے حسین انداز میں پیش کریں۔ خاص طور پر ابتدائی اور ثانوی مدارس کی سطح پر سیرت مقدسہ کی عام فہم کتب تیار کرانے بچوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق صالحہ اور اسوۂ حسنہ سے روشناس کرایا جائے تاکہ مستقبل کی قوم صحیح معنوں میں سیرت نبوی کے حسین سانچے میں ڈھل کر منصفہ شہود پر آسکے۔

## حصول برکات کا واحد ذریعہ سیرت کا عملی نفاذ

امت مسلمہ میں نفاذ اسلام کی برکات سے بہرہ یاب ہونے کا واحد ذریعہ بھی ہے کہ کلیات و اصول کے ساتھ ساتھ جزئیات میں بھی سیرت کو نافذ کیا جائے۔ تاکہ امت جلد از جلد برکات سماوی کے حصول میں کامیاب ہو سکے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ سنت کی تابعداری سے قوم بہت سی علمی اور عملی

قوتوں سے ہمکنار ہوگی جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم

کہ سنت کی برکت سے امتد قلب کے اندر ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جس سے معرفت نصیب ہوتی ہے اور برکتوں اور سعادتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں صحابہ اکرام کی مثال سامنے ہے وہ کوئی لمبے چوڑے کتابوں کے کیڑے نہیں تھے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پڑھے لکھے ہوں بلکہ وہ صرف سنت کے پیروکار تھے جس کی برکت سے اللہ نے ان کے قلوب پر ایسے علوم القامگئے تھے جو عامار کو بھی نصیب نہیں جیسا کہ ان میں سے ہر ایک علم و فضل کا بحر بکیرا تھا سنت رسول کی راہنمائی میں عمل کا پکیہ بن کے انسانیت کے واسطے اسوۂ حسنہ کی مثال تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت کا شہنشاہ روم صحابہ اکرام کی واہانہ اتباع سنت کی تفصیل سن کر اپنے اراکین سلطنت کے سامنے اعلان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے پیروکار اس تخت کے مالک ہوں گے۔ جن کو دنیا میں روکنے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ دنیا والوں نے دیکھا کہ صحابہ اسوۂ نبوی کی مثال لے کر عرب کے صحرا سے اٹھے اور چار دانگ عالم پر چھا گئے۔ آج تاریخ ان کے کارناموں سے کبیری پڑی ہے۔ اس واسطے آج بھی اگر ہم صحابہ کے اعمال کو ہر زاویہ زندگی میں اپنائیں تو ویسے ہی حیرت انگیز کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

# سیرت نبویؐ میں عہد حاضر کیلئے پیغام فطری نظام حیات کا نفاذ

(ڈاکٹر محمد سعید، ادارہ تحقیقات اسلامی)

کانفرنس کا عمومی موضوع ہے ”سیرت نبویؐ میں عہد حاضر کے لئے پیغام“ میرے خیال میں عہدِ حاضر کے لئے سب سے بڑا پیغام اس فطری نظام حیات یعنی اسلام کا نفاذ ہے۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے دوران انفرادی اور اجتماعی سطح پر نافذ فرمایا اس وقت دنیا میں جو نظام ہائے حیات پائے جاتے ہیں ان میں اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلم ممالک بھی ان میں سے کسی نہ کسی نظام سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان دونوں نظاموں کے بارے میں انتہائی اختصار کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اول الذکر نظام میں مرد اپنی فطری آزادی سے محروم ہے اور آخر الذکر میں۔ فرد کو اتنی زیادہ آزادی حاصل ہے کہ وہ معاشرے کے دوسرے افراد کی آزادی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

حالاتِ حاضرہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مشرق و مغرب کے لوگ اپنے مروجہ نظام ہائے حیات سے غیر مطمئن اور بیزار ہیں اور شعوری یا لاشعوری طور پر کسی ایسے نظام حیات کے لئے مضطرب اور بے چین ہیں جو ان کے فطری تقاضوں کو پورا کر کے ان کے سکون و اطمینان کا باعث بن سکے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک پیاسا انسان اپنی فطری پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں سرگرداں ہو یا فضا میں چھوڑا ہوا پتھر اپنے فطری مقام یعنی سطح زمین پر آنے کے لئے تیزی سے منترک ہو۔ لوگوں کا یہ اضطراب اس بات کی واضح علامت ہے کہ مروجہ نظاموں میں فطرت انسانی کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب نظام غیر فطری ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسا نظام حیات بھی موجود ہے جو فطری کہلائے جانے کا مستحق ہو یعنی جس میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہو کہ فطرت انسانی کے تقاضوں

کو پورا کر سکے اور انسانوں کو سکون و اطمینان بہم پہنچا سکے۔ جب ہم اس نکتہ نظر سے مختلف لظاہرے حیات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ایسا نظام حیات صرف اسلام ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

فاقر و جھک للدين حنيفا فطرت  
اپنا رُخ یکسو ہو کر دین کی طرف کر لو۔ یہ  
الله الستی فطر الناس علیہا لا تبدیل  
اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو  
لخلق الله۔ (الرؤم - ۳)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ دین اسلام یعنی اسلامی نظام حیات فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اور چونکہ فطرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر دور کے انسانوں کے لئے اسی دین کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان سمیت تمام اشیائے کائنات کی ایک فطرت بنائی ہے یعنی ان اشیاء میں کچھ خصوصیات رکھ دی ہیں جن کا اظہار ان اشیاء کے مخصوص قوانین سے ہوتا ہے مثلاً روشنی کی یہ خاصیت یا اس کا یہ قانون ہے کہ جب وہ کسی چمکدار شے پر پڑتی ہے تو ایک مخصوص زاویے پر منعکس ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مقناطیسی سوئی کو آزادانہ معلق کیا جائے تو وہ اپنا رُخ شمالاً جزباً کر لیتی ہے۔ اسی طرح ہر شے اپنے مخصوص قوانین پر عمل کر کے اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل پر مجبور ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :- اعطی کل شے خلقہ ثم ھدی۔ اس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی۔ پھر اس کی رہنمائی کر دی۔ یہ رہنمائی دراصل قوانین کی شکل میں ہے جس کے پابندی کرنے پر کائنات کی ہر چیز مجبور ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر چیز جبراً اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں داخل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ایک ایسی مخلوق کو بھی پیدا کرنا منظور تھا جو اپنے ارادے اور اختیار سے بھی اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں داخل ہونا قبول کرے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا اور اس کی بھی ایک مخصوص فطرت بنائی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

کل مولود یولد علی الفطرة، ثم ابوا ۵  
یہودانہ او نصرانہ او مجسانہ  
ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔  
(بخاری کتاب الجنائز)

اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ان قوانین کا جن کی اس کو پابندی کرنی چاہیے۔ علم پیدا ہونے سے پہلے ہی ہے۔ اور اس کا فطری تقاضہ ہے کہ وہ ان پر عمل کرے مگر وہ ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہ ماحول کے اثرات کی وجہ سے فطری تقاضے کے خلاف ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کر لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ۔

وہدیناہ النجدین (البلد آیت ۱۷) ہم نے اس کو دونوں راستے دکھائے۔

ہر انسان اس عظیم ترین ہستی کی بندگی کرنا چاہتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کا نفع اور نقصان ہو اور ان اشیاء کی جن کے قبضے میں ان کا نفع نہ ہو وہ ہرگز بندگی کرنا نہیں چاہتا۔ اس طرح ایک اللہ کی بندگی انسان کے نزدیک معروف اور غیر اللہ کی بندگی منکر ہے۔ مگر ماحول کے اثرات کی وجہ سے وہ غلطی سے کسی مخلوق کو اپنے نفع نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی بندگی کرنے لگتا ہے۔

اسی طرح ہر انسان بعض صفات کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند مثلاً وہ پسند کرتا ہے صداقت کو، رحم دلی کو اور اخلاص کو اور ناپسند کرتا ہے جھوٹ کو، ظلم کو اور منافقت کو۔ مگر ماحول کے اثرات کی وجہ سے بعض لوگ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور ظلم بھی کرتے ہیں وہ ان باتوں کو دل سے پسند نہیں کرتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی جھوٹے انسان سے بھی جھوٹ بولا جائے یا ظالم پر بھی ظلم کیا جائے تو وہ اسے کبھی پسند نہیں کرے گا۔ مگر صداقت رحم دلی وغیرہ ہر حال میں ہر ایک کو پسند آتی ہے۔ ان پسندیدہ اور ناپسندیدہ صفات کے لئے قرآن کریم میں دو نہایت بلیغ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں سے ایک ہے معروف اور دوسرا ہے منکر، معروف کے معنی ہیں جانی پہچانی۔ مانوس اور پسندیدہ چیز اور منکر کے معنی ہیں نامانوس بڑی اور ناپسندیدہ چیز۔ معروف پر عمل کرنا، منکر سے دور رہنا ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ دیگر اشیاء کے کائنات کی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی یہ مخصوص فطرت تو بنائی مگر اشیاء کے برعکس اس کو اپنی فطرت کے تقاضوں پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ معروف اور منکر کے راستے دکھا کر اس کو ان میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کرنے کی آزادی دیدی گئی تاکہ اس کی آرزو ہو سکے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عہدیت اختیار کرتا ہے یا نہیں۔

انا ہدینا السبیل اما شاکروا  
ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے اب  
اما کفورا (الدھرۃ)  
چاہے وہ شکر گزار بنتے یا ناشکر

کے علاوہ جس کو وجدان کہا جاتا ہے انسان میں ایک اور صلاحیت رکھدی گئی کہ اگر انسان معروف کا ارادہ یا اس پر عمل کرتا ہے تو انسان کے اندر سے تحسین و آفرین کی صدا آتی ہے اور اگر منکر کا ارادہ یا اس پر عمل کرتا ہے تو ملامت کا احساس ہوتا ہے اس صلاحیت کا نام ضمیر ہے۔ وجدان اور ضمیر کے علاوہ انسان میں حواس بھی پائے جاتے ہیں جن کا تقاضہ ہے مشاہدہ کرنا۔ اس میں عقل بھی موجود ہے جس کا کام ہے مشاہدے سے حاصل شدہ مواد پر استدلال کر کے نتائج اخذ کرنا۔ ان کے علاوہ انسان میں احساسات بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں خواہشات بھی موجود ہیں۔ اب وہ نظام یقیناً فطری کہلائیگا جو ان فطری صلاحیتوں کو معطل نہ کرے بلکہ معروف کی حدود میں اظہار کا موقع دے اور منکر کی حدود میں آنے سے روکے۔

اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ کوئی نہ کوئی فطری صلاحیت یا تو معطل تھی یا اسی کا استعمال اس کے فطری تقاضے کے خلاف ہو رہا تھا مثلاً ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے بجائے زمین و آسمان کی کسی نہ کسی چیز کو نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی پرستش کی جا رہی تھی۔ معروف کو چھوڑ کر منکر پر عمل ہو رہا تھا۔ کہیں کہیں نیک نیتی سے منکر کو معروف سمجھ کر اختیار کیا جا رہا تھا مثلاً سخاوت کے نام پر اسراف ہو رہا تھا جیسے عرب میں یہ مقابلہ ہوتا تھا کہ کون اپنے اونٹ زیادہ تعداد میں ذبح کرتا ہے۔ جو زیادہ ذبح کرنا وہ سخاوت میں بڑھا ہوا شمار ہوتا۔ اسی طرح خود داری کے نام پر غرور اور حمیت کے نام پر عصبيت کو اختیار کیا جا رہا تھا۔ علم پر جس کا حصول انسان کی فطری خواہش ہے۔ پادریوں اور پنڈتوں کی اجارہ داری تھی۔ کہیں کہیں جہالت کو فخر کی بات سمجھا جاتا تھا۔ حراس کے ذریعہ کے ذریعہ مشاہدات اور عقل کے ذریعے استدلال کر کے قوانین فطرت دریافت کرنے کا سلسلہ ساری دنیا میں منقطع تھا۔ ضمیر کی آواز کو مذہبی طبقوں یا حکام وقت کی طرف سے دبایا جا رہا تھا۔ یورپ میں رہبانیت کے نام پر انسانی تعلقات اور جنسی روابط کی فطری خواہشات کو کچلا جا رہا تھا۔

ہندو جڑگیوں میں انسان کی فطری خواہشات کو فنا کر کے جذبات کو کچلنا اور حیم کو کھلبلیت پہنچانا عبادت کا سب سے بڑا کام اور روحانی ترقی کا ذریعہ تصور کیا جاتا تھا۔ ادھر اس وقت دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی سلطنت روم اور سلطنت فارس کے حکمران اپنی رعایا کی خدمت کی



بجائے جو کہ تنظیم انسانی کا فطری مقصد ہے عوام کی جان و مال کو اپنی خدمت اور عیش و عشرت کے لئے استعمال کر رہے تھے اور عوام سے عبادت کی حد تک اپنی اطاعت کرا رہے تھے۔ غرضیکہ ہر طرف فطرت انسانی کے خلاف جنگ جاری تھی۔

اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین فطرت یعنی فطری نظام حیات اسلام کا پیغامبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو یہ بتایا کہ نفع نقصان کا اہل مالک صرف اللہ ہے لہذا وہ صرف اسی کی عبادت و اطاعت کریں۔ آپ نے معروف کی دعوت دی۔ منکر سے روکا۔ اور تمام قوائے ظاہری و باطنی اور تمام فطری صلاحیتوں کو معروف کی حدود میں استعمال کرنے کی ہدایت دی۔ آپ نے ایک طبیب روحانی کے طور پر اپنی تعلیم کے ذریعے لوگوں کو معروف کو اختیار کرنے اور منکر سے دور رہنے کے فطری تقاضے کو اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی۔ اسی روحانی علاج کا نام تزکیہ ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی انسان کی بھوک ختم ہونے یا اس کا ذائقہ خراب ہونے پر ماہر طبیب علاج کر کے اس کو اس کی فطری حالت کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا ذائقہ ٹھیک ہو جائے اور بھوک بحال ہو جائے آپ نے یہ تعلیم دی کہ تمام فطری صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں جن کو معروف کی حدود میں استعمال ہونا چاہیے اور ان کو نہ تو بیکار چھوڑنا چاہیے اور نہ ہی منکر کی حدود میں لانا چاہیے جو لوگ انسانوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر اللہ کو پکارتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق انسانوں کے درمیان زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی۔ جو لوگ جہالت میں گرفتار تھے ان کو حصول علم کی تاکید کی گئی۔ حواس اور عقل سے کام لینے پر زور دیا گیا۔ جو لوگ لذت و خواہشات کے فنا کرنے اور جسم کو اذیت دینے کو عبادت سے سمجھتے تھے۔ ان کو اللہ کی نعمتیں استعمال کرنے اور جسم کو اذیت سے بچانے اور راحت پہنچانے کی ہدایت کی گئی۔ وہ تمام اقدامات کئے گئے جن سے انسان اپنی فطرت کی طرف لوٹ سکے اور تمام فطری صلاحیتوں کو توازن کے ساتھ بروئے کار لاسکے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق تمام فطری صلاحیتوں کو توازن کے ساتھ استعمال کیا جائے تو معاشرہ راستی پر آجاتا ہے۔ اور معاشرے کو راستی پر لانا ہی دراصل پیغمبروں کی بعثت کا مقصد

ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا  
معهم الكتاب والمیزان ليقوم الناس  
بالقسط۔ (الحديد - ۲۵)

اور ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح نشانیوں کے  
ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان  
اتاری تاکہ لوگ راستی پر قائم ہوں۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے کو راستی پر لانے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں  
ایک پیغمبر کی شخصیت دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین پر مشتمل کتاب تیسرے اللہ کے احکام و  
قوانین پر توازن کے ساتھ عمل۔ پیغمبر خود بھی توازن کے ساتھ عمل کر کے دکھاتے ہیں اور دوسروں  
کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ وہ انہیں کی طرح عمل کریں۔

اس آیت میں لفظ میزان غور طلب ہے۔ میزان ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جو دو اطراف  
کے درمیان توازن یا عدم توازن کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس کی مدد سے دونوں اطراف کے  
درمیان توازن بھی قائم کیا جاسکتا ہے جب میزان کے دونوں طرف وزن برابر نہیں ہوتا تو میزان  
کی ڈنڈی سیدھی نہیں رہتی۔ اس کا ایک سرا اوپر کو اٹھ جاتا ہے اور دوسرا نیچے کو جھک جاتا  
ہے جو سرا اوپر کو اٹھا ہوا ہوتا ہے اس میں ایک قسم کا تناؤ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نیچے کی طرف  
اگر دوسرے سرے کے برابر ہو جاتا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نیچے والے سرے کا وزن کم  
کر دیا جائے تو اوپر والا سرا نیچے ہو کر پہلے والے کی سیدھ میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر افراد کی  
مختلف صلاحیتوں کے درمیان عدم توازن قائم ہو یا معاشرے کے مختلف طبقوں کے درمیان  
عدم توازن پایا جاتا ہو تو افراد اور معاشرے کے بعض افراد اور بعض طبقوں میں تناؤ کی سی کیفیت  
پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے نفلوں میں اس عدم توازن سے ان میں اطمینان باقی نہیں رہتا اور  
باہم نفاق اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ بد امنی اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

میزان کی دونوں اطراف میں برابری کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ میزان کی ایک طرف بعینہ  
دوسری طرف جیسی ہو ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ دونوں اطراف کے وزن یعنی ان دونوں  
کی قوتیں برابر ہوں۔ خواہ دونوں طرف کی اشیاء بعینہ ایک جیسی ہوں یا نہ ہوں۔ میزان کے ایک  
پلڑے میں گہوں اور دوسرے میں چنے ہوں یا دونوں میں گہوں ہوں۔ دونوں صورتوں میں توازن

پیدا ہو سکتا ہے بشرطیکہ دونوں پلٹوں کی قوتیں یعنی پلٹوں کے وزن برابر ہوں۔

دراصل دو چیزوں کا ہر لحاظ سے ایک جیسا ہونا فطرت کائنات کے خلاف ہے۔ البتہ قوتوں کو برابر کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم گرامی ہیں بدیع جس کے معنی ہیں بغیر نمونے کے کسی چیز کو پیدا کرنے والا۔ اس اسم گرامی کا تقاضہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ مشاہدات اور سائنسی تحقیقات سے اس بات کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ مثلاً دو درختوں کی سبٹری ایک جیسی نہیں ہوتی۔ دو شاخوں کے پھول ایک جیسے نہیں ہوتے ایک پھول کی دو پتیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ اس کائنات کی مختلف اشیاء کی قوتیں بھی مساوی نہیں ہوتیں۔ زمین چاند سورج وغیرہ میں قوت کشش پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اگرچہ ان کی کشش کی قوتیں مساوی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی قوتوں کی عدم مساوات کے باوجود ان کی قوتوں کا اثر برابر کر کے ان میں توازن پیدا فرما دیا ہے۔

والسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ الْأَلْفَاظِ  
تَطْعَوَانِي الْمِيزَانَ - (الرحمن - ۸)

اور آسمان کو بلند کیا اور اسی میں توازن قائم کیا کہ تم اس توازن میں بگاڑ پیدا نہ کرو گے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی سیارہ دوسرے سے نہیں ٹکراتا۔ قرآن کریم میں زمین، چاند اور سورج کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ  
وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ، كُلٌّ فِي فَلَكٍ  
يَسْبَحُونَ - (یس - ۴۰)

نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو آئے، نہ رات دن سے پہلے آسکتا ہے اور سب اپنے اپنے فلک میں تیرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ توازن کیسے قائم کیا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ ممکن ہے یہ توازن فاصلہ کی مناسب ترتیب پر قائم کیا گیا ہو جیسے روز مرہ کے مشاہدات سے توازن کے قیام کی بعض صورتوں میں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً بچے ایک کھیل کھیلتے ہیں جس میں ایک ڈنڈا زمین میں گاڑ کر اس پر ایک تختہ رکھ دیا جائے اور مساوی وزن کے بچے اس کے دونوں بیٹھ جائیں تو توازن برقرار رہتا ہے لیکن اگر ایک بچہ بھاری ہو تو پھر تختے کو کم وزن والے بچے کی طرف سرکانا پڑتا ہے! اس طرح چھوٹے بچے کی طرف تختے کا زیادہ حصہ کو دینے سے قوتوں کا توازن قائم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں مختلف اشیاء کو مخصوص نسبتوں میں پیدا کیا ہے۔ مثلاً ہوا میں چار  
ناٹروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے۔ اگر اس نسبت میں فرق آجائے۔ مثلاً ناٹروجن کی مقدار زیادہ  
ہو جائے یا ہوا میں دوسری گیس مثلاً کاربن ڈائی آکسائیڈ زیادہ مقدار میں شامل ہو جائے تو ایسی  
ہوا میں سانس لینے سے انسانوں اور حیوانوں کی نشوونما متاثر ہوگی اور ہلاکت بھی واقع ہو سکتی  
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کائنات میں توازن قائم فرمایا اور انسانوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے اعمال میں  
توازن قائم کریں۔ چنانچہ حکم ہوا:-

واقموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان (الرحمن - ۹)  
اور وزن کو برابری کے ساتھ قائم کرو اور  
میزان میں کمی نہ کرو۔

یہ حکم صرف ترازو سے تول ہی کے سلسلے میں نہیں ہے بلکہ تمام انسانی اعمال میں توازن و اعتدال  
قائم کرنے کے لئے ہے۔ انسانی معاشرے میں توازن پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت  
سے احکامات دیئے ہیں مثلاً مختلف افراد کے درمیان اقتصادی عدم توازن کو دور کرنے  
کے لئے زکوٰۃ فرق کی گئی۔ حدیث شریف میں زکوٰۃ کے بارے میں آتا ہے کہ مالدار لوگوں سے  
لی جائیگی اور مفلس لوگوں کو دی جائے گی۔ اسی طرح افراد کو بھی اپنے مختلف اعمال میں بھی توازن  
اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مال خرچ کرنے کے بارے میں حکم ہے -

ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوراً۔ (بنی اسرائیل - ۹)  
نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھو اور  
نہ اس کو پوری طرح کھول ہی دو، یعنی نہ  
بخل ہی کرو کہ کچھ بھی خرچ نہ کرو اور نہ یہ  
کرو کہ سارا مال دوسروں کو دے کر بالکل خالی  
ہو جاؤ اور حسرت زدہ اور علامت زدہ بن جاؤ۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام فطری تقاضوں کو پورا کرتا  
ہے اور چونکہ فطرت بدلتی نہیں ہے لہذا یہی دین جو آج سے چودہ سو سال پہلے قابل عمل تھا وہ  
آج بھی قابل عمل ہے اور جس طرح پچھلے ادوار میں انسانی مسائل کا حل پیش کر سکتا تھا اسی طرح  
آج بھی پیش کر سکتا ہے۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کرتے

ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت معاشرہ بہت سادہ تھا مگر آج معاشرے میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام انسانی معاشرے کے لئے اصول و کلیات فراہم کرتا ہے جو کہ فطرت انسانی کے عین مطابق اور ناقابلِ تعبیر ہیں اور مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ ان اصول و کلمات کی حدود میں رہ کر اپنا نظامِ حیات مرتب کریں اور اپنے مسائل کو حل کرتے رہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ کل مسکر حرام یعنی ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ یہ ایک کلیہ ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ دنیا کا کوئی انسان یہ نہیں چاہتا کہ اس کا ذہنی یا جسمانی توازن بگڑ جائے یا اس کی صحت خراب ہو جائے یا زندگی خطرے میں پڑ جائے چونکہ نشہ آور چیزیں جلدی یا بدیر ذہنی اور جسمانی توازن کو بگاڑتی ہیں اور صحت و زندگی کے لئے خطرہ ثابت ہوتی ہیں اس لئے ان کو حرام کر دیا گیا۔ یہ تو ہوتی ایک ایسی مثال جس میں ایک فطری قانون کام کرتا ہے۔ اب ذرا پیچیدہ مثال لیجئے جس میں بیک وقتی کئی قوانین کار فرما ہیں۔ مثلاً اگر یہ سوال پیدا ہو کہ ایک مسلمان کو کونسا لباس پہننا چاہیے اور کونسا لباس اسلامی کہلا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لباس کے لئے اسلام نے چند اصول مقرر کر دیئے ہیں جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں مثلاً یہ کہ لباس ستر پوش ہو۔ ظاہر ہے کہ فطرتاً ہر انسان میں شرم و حیا پائی جاتی ہے اور وہ اپنا ستر چھپانا چاہتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے دوسرا اصول یہ ہے کہ لباس فخر و غرور کے اظہار کے لئے نہ ہو۔ یہ بات واضح ہے کہ فطرتاً کوئی انسان فخر و غرور کو پسند نہیں کرتا۔ تیسرا یہ کہ وہ کسی قوم کا مذہبی شعار نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :-

من تشبه بقوم فهو منهم  
جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہوگا۔

کسی قوم کا مذہبی شعار اختیار کرنے سے انسان کی سب سے نمایاں انفرادیت یعنی عقیدے کی انفرادیت متاثر ہوتی ہے جبکہ انفرادیت کی حفاظت انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے اور اب ان اصولوں کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے ذوق اور ضرورت کے لحاظ سے مختلف سائزوں ڈیزائنوں فیشنوں، رنگوں اور کپڑے کی مختلف قسموں کے لباس بنائے جاسکتے ہیں اور یہ سب لباس اسلامی ہی ہوں گے لیکن اگر کوئی لباس ایسا بنایا گیا جس میں یہ اصول یا ان میں سے کسی ایک کا لحاظ نہ رکھا گیا مثلاً

یہ کہ یہ لباس ستر پوش نہ ہوتا تو پھر یہ لباس اسلامی نہیں کہلائے گا اور ایسے لباس کا استعمال کرنا ناجائز ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ ظہور اسلام کے وقت انشورنس اور بینکنگ کا پیچیدہ نظام رائج نہیں تھا اس لئے اس دور میں اسلام اس پر کیسے اثر انداز ہو سکتا ہو، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اسلام نے کچھ اقتصادیات کے اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے تحت بینکنگ اور انشورنس کے نظام کو اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً شرکت و مضاربت کے قوانین۔ سود کی مخالفت کا قانون وغیرہ۔ مختصر یہ کہ اسلام نے جو سادہ اصول مقرر کر دیئے ہیں ان کے تحت پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے حساب کے سادہ قواعد جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کی بدولت حساب کے پیچیدہ سے پیچیدہ سوالات حل کئے جا سکتے ہیں۔

ہر دور اور موجودہ دور میں اسلام کے قابل عمل ہونے کے سلسلے میں ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کا کوئی بھی عمل ہو کسی مقام پر بھی وہ انجام دیا گیا ہو اور کسی ذریعے سے بھی وہ کیا گیا ہو وہ یا معروف کے دائرے میں آتا ہے یا منکر کے۔ اسلام نے معروف اور منکر کی وضاحت پوری طرح کر دی ہے اور اس کے بارے میں احکام بھی صادر کر دیئے ہیں اب اگر ان اعمال کے ذرائع مقامات یا انداز بدل جائیں تو اعمال کی نوعیت اور ان کے احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا مثلاً اس دور میں کلب، سینما، تھیٹر، ٹی وی، ریڈیو وغیرہ موجود ہیں جو پہلے نہیں تھے تو یہ دراصل مختلف مقامات اور ذرائع ہیں جن میں مختلف انداز سے اعمال ظہور پذیر ہیں۔ اسلام میں فحاشی ممنوع ہے اس لئے کہ وہ منکر ہے۔ تو اب فحاشی چاہے وہ مجبوز پٹریوں میں ہو یا محلات میں، یا سڑکوں پر یا کلب اور تھیٹر میں یا ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے نئے نئے انداز سے ہو اس کے منکر ہونے اور ممنوع ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس طرح ناحق قتل منکر ہے اور ممنوع ہے قتل خواہ چھری سے ہو یا تلوار سے یا بندوق سے ہو یا توپ سے یا ایٹم بم وغیرہ سے اس کے منکر ہونے اور ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ انداز مقامات اور ذرائع کے بدل جانے سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہئے کہ مسافری بدل گئے یا انسانیت کے تقاضے بدل گئے۔ انسان کی فطرت وہی ہے۔ معروف اور منکر کی نوعیت وہی ہے اس لئے بدلے ہوئے ذرائع، مقامات اور انداز کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ اسلام ان

مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود نہیں تھے دراصل ایک زبردست مغالطہ ہے۔

اگر کسی فطری قانون کی خلاف ورزی کی جائے تو ایسا کرنا فطرت سے جنگ کے مترادف ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ نقصان اور خلفشار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اہل مغرب نے جو فطری قوانین کی خلاف ورزیاں کی ہیں ان میں سے صرف ایک قانون کو لیجئے کہ اس کی وجہ سے مغربی معاشرے میں کسی قدر فساد اور انتشار پھیل گیا ہے۔ انہوں نے اس فطری قانون کو نظر انداز کیا کہ مردوں اور عورتوں میں جنسی رقابت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ کوئی مرد یہ نہیں چاہتا کہ اس کی عورت کا دوسرے مرد سے تعلق قائم ہو۔ اسی طرح نہ کوئی عورت چاہتی ہے کہ اس کا مرد دوسری عورتوں سے تعلقات قائم کرے۔ اگر ایسا ہو تو اس سے رقابت پیدا ہوتی ہے جس سے کراغصاب متاثر ہوتے ہیں مغرب میں عورتوں اور مردوں کا جتنا آزادی میں میل جول ہو رہا ہے۔ اتنی ہی جنسی رقابت پیدا ہو رہی ہے اور یہ رقابت بھنجلاہٹ اور گھریلو جھگڑوں کا سبب بن رہی ہے اور بالآخر طلاق کی شرح بڑھ رہی ہے۔ اس طرح گھر جو کہ معاشرے کی اکائیاں ہوتی ہیں برباد ہو رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ آج سارے مغرب میں مرد اور عورتیں اسی صورت حال سے دوچار ہیں۔ اور بیزار ہیں مگر ان کے پاس اس آزادی میں جوں کو روکنے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے یہ سب کچھ اس لئے پیش آیا کہ مغرب کے لوگوں نے ایک فطری قانون کی خلاف ورزی کی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر فطرت کے بہت سے قوانین کی خلاف ورزی کی جائے تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ اس کے برعکس اسلام عورتوں اور مردوں کے آزادی میں جوں پر پابندی لگاتا ہے تنہائی میں نامحرم عورت اور مرد کے ملنے جلنے کو حرام قرار دیتا ہے اور ہر وہ اقدام کرتا ہے جس سے انسان اپنی زندگی فطری قوانین کے مطابق گزار سکے خود مسلمانوں میں بھی فطری صلاحیتیں اور فطری قوانین کو نظر انداز کیا جا رہا ہے مثلاً بعض لوگ اپنا ذریعہ معاش خود پیدا نہیں کرتے اور توکل کے نام پر دوسروں کی آس میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو ان کو معاش کے حصول کی صلاحیت دی تھی اس کو ضائع کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے در سے معاملات میں ایمانداری سے کام لیتے ہیں اور ان کے دل میں تو اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہتی ہے۔ لہذا انداز کیوں پر ہیں اس قسم کے لوگ اپنے فکر و عمل میں یقیناً غلطی پر ہوتے ہیں۔ متوازن رویہ یہ ہے کہ سب معاش کے

وقت معاش کا اہتمام کیا جائے اور نماز کے وقت نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح اپنے اپنے وقت پر معروف کی حدود میں تمام صلاحیتوں کا استعمال ہو اور تمام فطری تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ موجودہ دور کی یہ اشد ضرورت ہے کہ مسلمان اسلام کا جو کہ ایک فطری نظام حیات ہے علم بھی حاصل کریں۔ اور اس عمل نمونے کے مطابق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بلیغہ میں ملتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل کریں اور ریاستی سطح پر بھی اس فطری نظام حیات کو نافذ کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بعد میں آپ کے اتباع میں خلفاء راشدین نے نافذ کیا تھا ایسا کر کے ہی ہم اس فرض منصبی کی ادائیگی کر سکتے ہیں جو اسی زمین پر خلیفہ کی حیثیت سے انسان پر عاید ہوتا ہے اور ایسا کر کے ہی دنیا اور آخرت میں سلامتی اور کامیابی کا حصول ممکن ہے۔







# مندوبین کرام

## کراچی

ڈاکٹر منظور احمد  
 مولانا عبدالرحمن سلفی  
 پروفیسر عطیہ بنت نبیل عرب  
 مولانا ارشاد الحق تھانوی

## لاہور

غلام سید محمود احمد رنوی  
 جسٹس (ریٹائرڈ) سید جمیل حسین رضوی  
 پروفیسر عبدالقیوم  
 مولانا عبدالقادر آزاد  
 پروفیسر حافظ احمد یار  
 حافظ نذر احمد  
 پروفیسر ذوالفقار علی ملک  
 ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

پروفیسر محمد اسلم  
 جناب الطاف حسن قریشی  
 راولپنڈی - اسلام آباد

ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پٹنا  
 ڈاکٹر سید علی رضا نقوی  
 ڈاکٹر محمد سعید

پروفیسر سعید الدین ڈار

پروفیسر سید فیض الحسن فیضی  
 لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) عبدالفقور  
 مولانا محمد میاں صدیقی

## پشاور

ڈاکٹر سعید اللہ خاں  
 ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمن  
 پروفیسر مس مجاہد سڈل  
 کوئٹہ

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

## حیدرآباد

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد حجن

## سیالکوٹ

پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ

## بہاولپور

ڈاکٹر ایس۔ ایچ۔ مسعودی

## جہلم

پروفیسر شیخ غازی احمد

## فتلات

ملک محمد رمضان

# دیگر مندوبین کرام

## کراچی

مولانا ظفر احمد انصاری

مولانا محمد اطہر نسیمی

مولانا عبدالعزیز عرفی

علامہ عباس حیدر عابدی

حاجی فرید الدین احمد الوجیہ

پیر صاحب میراں محی الدین شاہ

ڈاکٹر امتیاز احمد

فقیر محمد اسماعیل نقشبندی

## لاہور

مولانا محمد مالک کاندھلوی

مولانا عبدالقیوم ہزاروی

مولانا عبدالقادر روپڑی

علامہ مرزا یوسف حسین

مولانا شبیہ الحسین محمدی

صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن قادری

مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی

پیر سید فیض احمد سہروردی

صاحبزادہ محمد سلیم

میاں فضل الحق

مخدوم زاہد سید نور الحسن شاہ گیلانی

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

ڈاکٹر منیر الدین چغتائی

ڈاکٹر امان اللہ خان

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

راولپنڈی / اسلام آباد

پیر صاحب دیول شریف

جناب جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل چیمہ

ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زمان

ڈاکٹر ضیاء الدین

ڈاکٹر میر ولی خان

ڈاکٹر محمد ریاض

جناب زاہد ملک

جناب محمد سمیع اللہ

جناب پروفیسر کرم حیدری

جناب پروفیسر مظہر الدین سدیقی

برگیدر (ریٹائرڈ) گلزار احمد

ڈاکٹر احمد حسن

ڈاکٹر عبدالغفور مسلم

پروفیسر رحیم بخش شاہین

ڈاکٹر مسز صفرا بانوشگفتہ  
 مسز کشور زمان  
 مس افروز بیگم  
 پروفیسر مسز شفیق الرحمن  
 مسز این۔ ایچ پیرزادہ

### پشاور

پیر خواجہ محمد عبد اللہ جان نقشبندی  
 پیر سید امیر حسین شاہ صاحب یکہ توت  
 مولینا سید نجم الحسن کراروی  
 مولینا یوسف قریشی  
 مولینا اشرف علی قریشی  
 مولینا سعید الدین شیر کوٹی  
 مولینا حافظ محمد عبد القدوس  
 ونگ کمانڈر قدا محمد خان  
 پروفیسر ہدایت اللہ خان  
 پروفیسر میاں تقویم الحق  
 ڈاکٹر ایس۔ ایم جیدر

### کوٹہ

مولینا عبد اللہ خلیفی  
 مولینا نیاز محمد درانی  
 مولینا محمد عمر  
 حیدر آباد

علامہ نلام مصطفیٰ قاسمی  
 مولینا وحسی مظہر ندوی  
 سید کاظم علی شاہ

جناب مختار احمد بھٹی  
 جناب ایلم۔ اے۔ صدیقی  
 جناب ہستخارا احمد بھٹہ  
 پروفیسر عبد الرحمان عبد  
 مولوی محمد سعید

جناب جی۔ ایس گھانگھرو  
 جناب اسد اللہ شیخ  
 جناب ہدایت حسین  
 جناب خلیل الرحمن  
 جناب محمد ہاشم عباسی  
 ڈاکٹر ایم۔ ایس کے شبلی  
 ڈاکٹر اعجاز گیلانی

ساجزادہ پیر محمد فیض علی فینتی  
 مولینا محمد عبد اللہ  
 مولینا عبد العزیز حنیف  
 مولینا قاضی اسرار الحق  
 علامہ سید جاوید حسین  
 قاری سعید الرحمن

قاضی احسان الحق  
 مولینا نعیم الدین شاہ  
 مولینا صدر الدین  
 قاری حبیب الرحمن  
 مولانا عبد الخالق مجددی

ملتان

مخدوم سجاد حسین قریشی

فیصل آباد

مفتی سیاح الدین کاکا خیل

مولانا غلام رسول رضوی

حکیم عبدالرحیم اشرف

پروفیسر غلام احمد حریری

جھنگ

مولانا منظور احمد چندیوٹی

گوچرانوالہ

صاحبزادہ فیض الحسن

غلامہ مفتی جعفر حسین

سامیوال

مولانا معین الدین لکھوی

پہاؤپور

غلامہ رحمت اللہ ارشد

سرگودھا

غلامہ نصیر حسین

شیخوپورہ

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شتر قیوری

اٹک

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

لاڑکانہ

پروفیسر اسد اللہ بھٹو

جیکب آباد

پیر دامن علی شاہ

بدین

مولوی خیر محمد نظامانی

ایسٹ آباد (ضلع)

پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی

ڈیرہ اسماعیل خان

پیر خالد صاحب زکوٰۃ شریف

تسکار پور

پیر محمد شاہ امروٹی

سوات

پیر سید امیر حسین شاہ

ڈیر

صاحبزادہ قاضی سید امیر خان

کوہاٹ

پروفیسر تاجدار علی شاہ

غلامہ جواد حسین





### Conclusion.

Thus in the light of what has been stated above, one can predict with confidence that at present the world, specially the Muslim world, which is facing the multifarious problems and it is one the verge of being annihilated, can only be saved through the strict adherence to the principles of Islam and spreading the true message of the Holy Prophet (S.A.S.) in the world as their ancestors did. Allama Iqbal has rightly paid tributes to those wild and barbarian and uncivilized people of Arabia in the following words :

وہ اودوں کے ہادی بن گئے  
مردوں کو مسیحا بنا دیا  
جو نہ تھے خود راہ پر  
کیا وہ نظر تھی کہ

(Those very misled people became the guides of other was nothing but the sight i.e. the company of the Prophet Muhammad (S.A.S.), which turned the dead to be the cause of survival of other)

Thus modern age is in need of Divine guidance, which may lead the Muslim as well as non-muslim on the path of righteousness through which the mankind may pass their time in peace, tranquillity and prosperity. This Divine guidance is available only in the message of Holy Prophet Hazrat Muhammad (S.A.S.).

#### FOOT NOTES

1. Extract taken from his speech delivered in Arabic on October 11, 1963 in the University of London, English translation published by Academy of Islamic Research Publications, Lucknow with the title 'The Message of Humanity to the East and the West, P. 8.
2. Ibid, P. 9.
3. The Preaching of Islam, Punjab, Lahore, 1965, P. 1.
4. Ibid, P. 3.
5. Ibid PP. 29-30.
6. Ibid P. 413.
7. Ibid P. 414.
8. Ibid P. 414-415.

\*\*\*\*



The History, even upto the end of the thirteenth century Hijrah will reveal that the Muslims were the sole possessers of honour, dignity, power and grandeur, but when one turns his eyes away from the pages of the history and looks at the Muslims of today, one sees the picture of this very superior nation as claimed by Qur'an, sunk in misery and disgrace, possessing no real strength or power, honour or dignity, brotherhood and mutual love ; devoid of virtues and moral character. One cannot find any sign in them of those noble deeds which at one time used to be the symbol of each and every Muslim. Unfortunately the matter does not end here. The muslim youth of the new age, has been almost affected and influenced by the so called modern trends and the western way of life to such an extent that they take pleasure in criticising and laughing at the very ideals of Islam and look down the sacred code of Shariat as out-dated and impracticable. This state of affairs is actually the result of ignoring the Muslims in general the important duty of *دعوة* i.e. Preaching the message of Islam among the non-believers and leaving the work of *امر بالمعروف ونهى عن المنكر* (i.e. enjoining the good and forbidding the evil). Thus not only the values of Islamic way of life went out the minds of Muslims, but they also closed the doors of Islam upon the non-muslims. There is a tradition of Holy Prophet (S.A.S.) narrated by Hazrat Abu Hurairah (Radi Allah anho), in which the Prophet (S.A.S) has warned : " when my Ummat begin to attach more importance to the world and to regard it as a source of glory, the awe and importance of Islam will vanish from their hearts. When they give up the task of enjoining good and forbidding evil, they will be deprived of the blessing of *وحى* (Revelation), and when they begin to indulge in maligning each other, they will fall in the eye of Allah."

trades and professions, who have laboured for the spread of Islam. He writes : “ In a list of Indian Muslim missionaries published in the journal of a religious and Philanthropic Society of Lahore, we find the names of school masters, Government clerks in the canal and Opium Departments, traders (including a dealer in Camel-carts), an editor of a Newspaper, a book-binder and a workman in printing establishment. These men devote the hours of leisure left them after the completion of the day’s labour, to the preaching of their religion in the streets and bazars of Indian cities, seeking to win converts both from among Christians and Hindus, whose religious beliefs they controverts and attack.”<sup>10</sup>

According to the teachings of Islam and from the practical life of Holy Prophet (S.A.S.) and his companions, it is expected that every Muslim is a missionary of Islam. History proves so long as the Muslims performed this duty of preaching in true sense, they themselves were the true followers of Islam and served as a model of life for the non-muslims and attracted them to accept Islam. In return, with the help of Allah, the Muslims moved from success to success and reached the highest pinnacle of glory in every field, political, social and moral and they also advanced in the field of science and learnings. In the eyes of the world they actually proved to be the most superior nation, as envisaged by Holy Qur’an. This is the historical truth which cannot be erased. But alas ! this fact of history in the present times has only become a myth, an ancient tale to narrate which appears to be meaningless and ridiculous. The present daily life of Muslims themselves has obviously become a black spot on the brilliant performance and achievements of their ancestors, the early followers of Islam.

Holy Prophet (S.A.S.) inspired among his followers such a zeal that they carried out with them the message of Islam to the people of every land into which they penetrated.

According to Arnold :

“ the spread of this faith over so vast a portion of the globe is due to various causes, social, political and religious : but among these one of the most powerful factors at work in the production of this stupendous result, has been the unlimited labours of Muslim missionaries, who, with the Prophet himself as their great example, have spent themselves for the conversion of unbelievers.”<sup>7</sup>

In the conclusion of his book, he compares missionary work of the Christians with the missionary duties performed by the Muslims and states : “ to the modern Christian world, missionary work implies missionary societies, paid agents, subscriptions, reports and journals .. its missionaries have been in most cases, regularly ordained priests or monks .. But in Islam there is absence of priesthood, or any ecclesiastical organization .. There are no missionary societies, no specially trained agents.”<sup>8</sup> For this absence he gives the justification that the Muslim himself is conscious of the responsibility lying on him to learn the doctrines of Islam, to practise and preach among the unbelievers.<sup>9</sup>

Arnold, has proved with examples that side by side with the enormous groups of the Muslim religious teachers who had fully devoted all their time and energies to the missionary work, the annals of the propagation of the message of the Prophet of Islam (S.A.S.) contains the record of men and women of all ranks of society, from the sovereign to the peasant and of all

Thus it is for this objective of life of Muslim, Allah declared in Holy Qur'an for the Muslim Umat to be

كنتم خير امة... الخ (ال عمران : ١١٠)

Ye are the best community that hath been raised up for mankind. Ye enjoin right conduct and forbid indecency ; and ye believe in Allah (3 : 110).

Even Allah in the Quran has ordained that there must be people, who should be fully and whole heartedly devoted to perform the duty of enjoining good and forbidding wrong.

ولتكن منكم... الخ (ال عمران : ١٠٣)

And there may spring from you a nation who invite to goodness, and enjoin right conduct and forbid indecency. Such are they who are successful.

### **Missionary spirit and activities.**

T.W. Arnold in his book : " Preaching of Islam " has written much about the Missionary Spirit among the Muslims and their missionary activities through which Islam was spread through the world. Among the religions, he gives importance to Islam as the greatest missionary religion and he states that a missionary religion should be taken to mean " one in which the spreading of the truth and the conversion of unbelievers are raised to the rank of a sacred duty by the founder or his immediate successors.. It is the spirit of truth in the hearts of believers which cannot rest, unless it manifests itself in thought, word and deed, which is not satisfied till it has carried its message to every human soul, till what it believes to be truth as accepted as the truth by all members of the human family."<sup>6</sup>

propagation of Islam in the world, even at the cost of their own lives. Allah accepted these efforts and sacrifices of early Muslims and gave them victory over the mightiest empires of Rome and Persia inspite of the fact that they were comparatively too less in numbers and armaments. Here I am quoting following qur'anic verses, which are sufficient incentive for every true Muslim to remain everready for spending all of their energies and suffer all sorts of hardships to fulfil the task of the propagation of Islam individually and collectively in the distant parts of the world.

قل هذه سبيلي ..... الخ - (يوسف : ١٠٨)

Say : this is my way : I call (the people) to Allah with sure knowledge, I and whosoever followeth me—Glory be to Allah !— and I am not of the idolaters. (XII : 108)

يا ايها الذين امنوا ..... الخ

O you who believe ! shall I point out to you a trade that will shield you from a grievous doom ? Believe in Allah and in His messenger and perform Jihad in His Way with your wealth and lives. This is best for you, if you understand.

قل ان كان اباؤكم ..... الخ (التوبة : ٣٣)

Say : if your fathers, and your sons and your brothers and your wives, and your tribe, and the wealth ye have acquired, and merchandise for which ye fear that there will be no sale, and dwellings ye desire are dearer to you than Allah and His messenger and striving in His Way : then wait till Allah bringeth His Command to pass. Allah guideth not wrong doing folk. (IX : 24)

The letters of invitation to embrace Islam written by the Holy Prophet (S.A.S.) to the Emperor Heraculius, the King of Persia, the Governor of Yeman, the Governor of Egypt and the King of Abyssinia are the evidence of the claim that the message of Islam was not for Arabia only, but the whole world was to be invited to accept only one religion i.e. Islam.

T. W. Arnold in his book "Preaching of Islam" has given following account of the sending out of missionaries to preach Islam to all nations : "The Apostle of God said to his companions, 'come to me all of you early in the morning'. After the morning prayer, he spent some time in praising and supplicating God ; then he turned to them and sent forth some in one direction and others in another, and said : 'Be faithful to God in your dealings with His servants (i.e. with men), for whosoever is entrusted and is not faithful in his service of them, to him God shuts the gate of paradise : go forth and be not like the messengers of Jesus, the son of Mary, for they went only to those who lived near and neglected those that dwelt in far off countries.' Then each of these messengers scattered and when came back, spoke the language of the people to whom he was sent. When this was told to the Prophet (S.A.S.) he said, "This is the greatet of the duties that they owe to God with respect to this with Servant ' ".<sup>5</sup>

### **Missionary duties of Muslims.**

Thus from the side of Allah in Holy Qur'an and the Prophet Hazrat Muhammad (S.A.S.) through his practice and teachings made it compulsory for the believers to come forth in the path of Allah, leave their homes, kith and kin and other engagements how much those be dearer to them for the

(And we have not sent thee (O, Muhammad) otherwise than to mankind at large, as a bringer of good tidings and a warner ; but most of mankind know not.

### Scope of the Message.

The teachings in Holy Qur'an, the last revealed book of God and the following of Hazrat Muhammad (S.A.S.) also been made binding for the whole mankind as stated in the following Qura'nic verscs :

ان هو ..... حين - (ص : ٨٤ ، ٨٨)

“ Truly it (i.e. the Qur'an) is no other than an admonition to all created beings ; and after a time shall ye surely its message. ” (XXXIX : 87—86).

ان هو ..... على الكافرين - (يس : ٦٩ ، ٧٠)

“ This (Book) is not other than an admonition and a clear Qur'an, into warn those whoever liveth; and that against the unbelievers the word may be fulfilled (i.e. Sentence may be justly given ” (XXXVI : 69—70).

تبرك الذى ..... نذيرا (فرقان : ١)

“ Blessed is He Who hath revealed upon His servant the Furqan (Criterion of right and wrong) ; so that he may be a warner unto all created beings. (XXV : 1)

هو الذى ارسل ..... المشركون - (الصف : ٩)

“He is Who hath sent His Apostle with the guidance and the religion of Truth, that He may make it victorious over every other religion though the Polytheists are averse to it.” (IXI : 9).

### No remedy of problems in the scientific achievements.

The present age of science and technology has provided means of comforts and luxuries for man, but has not solved the real problem of mankind, which is spiritual happiness and peace of mind. There is advancement of matter, but not manhood. Whatever the progress and advancement is being made in the modern age, it is being done at the cost of man and his morals, at the cost of his soul and his heart. On the contrary the scientific inventions have assisted in the spread of moral degradation of man expeditiously.

### Achievements of moral values of life.

This does not mean that the efforts in the field of scientific achievements should be abandoned. But side by side the struggle should be made for the upliftment of human soul and raising the moral values of life, which can only be achieved through Faith in the Oneness of God the Creator of the Universe, to Whom man has to return for giving account of his deeds, whether done in conformity with the teachings of the Prophets, who were sent down by God with Divine guidance at different times to different people. But this series of the Prophets ended on Hazrat Muhammad (S.A.S.), who was meant for the whole mankind for all the times to come, as has been envisaged in the following Qur'anic verses :

وما أرسلناك إلا رحمةً للعالمين - (الانبيا - ١٠٤)

(O, Muhammad ! We sent thee not save as mercy for the whole world) (XXII : 107).

وما أرسلناك . . . . . يعلمون (سبا- ٢٨)



## NEED OF THE PRACTICE AND PROPAGATION OF THE MESSAGE OF HOLY PROPHET (S.A.S.) IN THE MODERN AGE

Prof. Dr. Mohammad Hajan Shaikh,  
(Principal, Government Sachal, Arts College, Hyderabad.)

### Importance of the Message.

The message of the Prophet Hazrat Muhammad (S.A.S.) is the last heavenly message revealed by Allah and also perfected by Him, as declared in the last Qur'anic verse :

اليوم اكملت... الخ

In the words of famous Indian scholar Mawlana Abul Hasan Ali Nadvi : " It is a message of everlasting value to mankind, the message which bears the finesse of finality, which is in tune with the spirit of the age, which seeks to carry human civilization forward and not backward as some religions tend to do, and which is free from extremism and rigidity, which is endowed with a wonderful capacity to create new moulds consistent with the spirit of its own teachings as well as the demands of changing times.(1)

According to the same scholar all the Prophets of God (peace be on them), and in the end the last of the Prophet, Hazrat Muhammad (S.A.S.) concerned themselves with " man " and his moral refinement and opened up the treasures that lay within him, receiving therefrom light and life and knowledge, love and confidence, strength of purpose and contentment and happiness. 2

## REFERENCES

1. Ibn Durayd, *Kitāb Jamharat al-Lughā*, Hyderabad, 1344-1351 A.H., vol. II, p. 340.
2. Al-Fayūnī, *al-Miṣbūḥ al-Munir fi Gharib ash-Sharḥ al-Kabir*, li-r-Rafi'i, ed. Mustafa as-Saqa, Cairo, 1369/1950, vol. ii, p. 312.
3. Jawharī, *Taj al-Lughā*, Cairo, 1292 A.H., vol. iii, p. 383.
4. Abū 'Ubayd, *Kitāb al-Amwāl*, ed. Muḥammed Ḥamid a-Fiqqī, Cairo, 1353/1934 p. 532f.
5. Ibn Ḥanbal, *Munsnad*, ed. Ahmad Shākir, Cairo, 1949 A.C., Vol. viii, p. 169.
6. Suyūṭī, *Tārīkh al-Khulafā*, ed. M.M. 'Abd al-Hamd, Cairo, 1305 A.H., p. 154.
7. Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Muḥabbar* ed. Dr. Eliza, Hyderabad, 1361/1942, p. 309.
8. Bukhārī, *Al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ* ed. M. Ludolf, Leiden, Brill, 1862—1908 A.D, Vol. iv p. 318 (*Kitāb ed-Diyāt*).
9. *Qur'ān* 18 : 55 ; 33 : 38 ; 33 : 62 ; 35 : 43 ; 48 : 23.
10. Schacht, *An Introduction to Islamic Law*, Oxford, 1964, p. 17.
11. McDonald, Duncan B., *Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory*, 2nd ed., Lahore, 1960 A.D., p. 68
12. Watt, W.M., "Belief in a 'High God' in Pre-Islamic Mecca," *Journal of Semetic Studies*, XVI, No. 1 (Manchester University Press : Spring, 1971, pp. 35—40.
13. *Qur'ān*, 33 : 62 ; 35 : 43 ; 48 : 23.
14. Baydāwī, *Anwār at-Tanzīl wa Asrar at-Ta'wil*, Cairo, n.d., vol. iv, p. 184.
15. *Qur'ān*, 35 : 43.
16. Watt, W.M., *Muhammad, Prophet and Statesman*, Oxford 1961, p. 59.
17. *Ibid*, *Muslim Intellectual, A Study of Al-Ghazali*, Edinburgh, 1963, p. 14.
18. *Qur'ān*, 3 : 32, 132 ; 4 : 59 ; 8 : 20 ; 46 ; 24 : 56 ; 47 : 33.
19. Ibn Sad, *Kitāb at-Ṭabaqāt al-Kabir*, ed. Sachan et al'-Leiden, 1905—1940, vol., ii, p. 95.
20. *Qur'ān*, 4 : 64.
21. *Ibid*, 4 : 80.
22. Ibn Sa'd, *op-cit*, vol. iv, i, p. 114.
23. Dārimī, *Sunan*, ed. 'Abd Allāh Ḥāshim Yamānī, Medina, 1386/1966, vol. i, p. 117.
24. Guillaume *The Traditions of Islam*, Oxford, 1924, p. 11.
25. Safāwī, *Fath al-Muḡīth*, Lucknow, 1282 A.H., p. 12.
26. Shāfi'i, *Kitāb al-Umm* Cairo, 1321—1325 A.H., vol. vii, p. 306.
27. 'Abd al-Qādir, *Nazrat 'Āmma fi Tārīkh al-Fiqh al-Islami*, 2nd ed.' Cairo, 1959, p. 116.

The scope of Sunna had been widening ever since the advent of Islam. In the beginning, it was confined to Muhammad's sunna which included not only the new laws given by him but also the prevailing customs of his period. After his death, it meant the practices of his Companions<sup>24</sup> and the Successors<sup>25</sup> as well. Thereafter, the *Ijtihāds* of the Rightly guided Caliphs came to be regarded as *Sunna* and formed part of religious practices of the Muslims at large. This we call 'Islamic Sunna' or 'Sunna of the Community'!

The Islamic Sunna is nothing but the established religious practices of the Muslim Community. It has been expressed by the phrases *جرت به السنه* *مضت به السنه* and other similar terms.<sup>26</sup>

Because of the cautious attitude of the Pious Caliphs towards the preservation of the Prophet's sunna, the latter Muslims took for granted that 'the practices of the Companions must have necessarily conformed to the sunna of the Prophet. It was probably because of this reason that in later times it was deemed enough to ascribe a certain practice to the Pious Companions so as to bring it at par with the 'Sunna of the Prophet.' In this way, even personal opinions (based on the Qur'an and the Prophet's sunna) in due course because the *Ijmā* '(Consensus) of the Community and assumed the status of 'Islamic Sunna.'<sup>27</sup>

Sunna, occurring in the phrase *اهل السنه والجماعه* (the people of the Sunna and of the Community) though used against those of *اهل الشيعة* it actually refers to the followers of the Islamic Sunna referred to above.

convinced that the behaviour of the Prophet provided a sunna better than that of the Jahiliyya.

The Prophet himself insisted that 'his sunna' be followed, and warned that 'he who tires of 'my sunna' does not belong to me'.<sup>17</sup> This was quite in agreement with the Qur'anic injunctions: 'who so obeyeth the Messenger obeyeth Allah',<sup>20</sup> and 'We sent not any Apostle but to be obeyed.'<sup>21</sup> Being indispensable for the practical application of the Qur'anic doctrines, the 'sunna of the Prophet' must have necessarily been given a great importance during his lifetime. Consequently, the overall conduct of the Prophet—later named as 'Sunna of the Prophet'—came to be regarded as a model to be followed by the Muslim Community.

This concept became so popular among the Muslims that in later times the use of 'sunna' alone indicated the 'sunna of the Prophet.'<sup>22</sup>

As regards the scope of the 'Sunna of the Prophet' it appears to be wider than that of 'sunna of Allah'. While the former covered both revealed and traditional customary laws of Muslims, the latter deals only with revealed ones hence limited in scope. Furthermore, the sunna of Muhammad (P.B. U.H). deals with every detail of the individual's life, both secular and religious, revealed and unrevealed alike. It would not be wrong, therefore, to hold that the Qur'anic laws have been incorporated in the 'Sunna of Muhammad (P.B.U. H)' and the former have to be read alongwith the *Hadith*—the record of the Prophet Muhammad's sunna. Probably, this very concept led to the belief that the Qur'an is more in need of the sunna than the *Sunna* is of the Qur'an.<sup>23</sup>

warning. The purpose of this threat was to show that the 'sunna of Allah' had the force of law, hence binding. Thus the Arabs yielded to this new form of sunna.

Very soon, the 'sunna of the Prophet' was introduced to the bedouin Arabs. The same source which had provided the concept of 'Sunna of Allah' to the Arabian society, demanded absolute obedience to Allah's Prophet. This meant a switch over from 'Sunna of Allah' to the 'Sunna of the Prophet.' In addition to the Qur'anic injunctions 'to follow the Prophet of Allah',<sup>15</sup> two more factors became responsible to replace the 'sunna of the tribe' and 'the sunna of Allah' by the 'sunna of the Prophet.' Firstly, the Arabs believed that the 'best man to rule a tribe or clan was the man who was outstanding in wisdom prudence and judgment.'<sup>16</sup> This man, after Islam, was the Prophet Muhammad (P.B.U.H.). Secondly, they thought that the Islamic Community was divinely founded and was living in accordance with divinely given mores.'<sup>17</sup>

With a declaration in the Qur'an " Verily, in the Messenger of Allah, ye have a good example " (*Qur'an*, xxxiii : 21), the ideality of the *Sunna* which so far had been in the ancient custom, began to be sought in the Conduct of the Prophet. Partly because of his own exemplary conduct and partly due to Qur'anic injunctions to follow the Prophet,<sup>18</sup> his actions and conduct replaced the sunna of their ancestors, of their tribe and that of Allah—the last mentioned having been incorporated in the 'sunna of Muhammad' (P.B. U.H). Since, by nature the Arabs were wont to following the sunna, they found no difficulty in shifting to a new one—the Sunna of Muhammad (P. B. U. H). The nascent Muslim Community was soon

have been reproached for this reason.<sup>9</sup> It has been rightly remarked therefore that ‘whatever the forefathers had done deserved to be imitated... was the golden rule of the Arabs.’<sup>10</sup> To these customary practices of the bedouins we use the term the sunna of the tribe’. But since Arabian tribes had no Constitution, tribal laws, though generally acceptable, were not strictly enforceable. “It was protected by no sanction and enforced by no authority” says Mcdonald.<sup>11</sup>

With the Coming of Islam, another type of sunna—the sunna of Allah—was introduced into Arabian Society. ‘Sunna’ as such was not a new concept to Arabs; they were already following the ‘sunna of their forefathers’ and the ‘sunna of the tribe.’ The Concept of Allah too was not unknown, though in the form of plurality of gods.<sup>12</sup> No doubt, these terms existed in the society all along, yet they were not inter-related so far. The Qur’an now used them as a compound term and introduced thereby a new concept—the sunna of Allah.

Long before the Coming of the Prophet Muhammad (P. B. H), the Arabs, in their judicial system, believed in the supermacy of Allah. The judgments of the *Kāhins*—the soothsayers or judges—were enforced on the basis of a belief that they came from a supernatural power. So, when the Qur’an spoke of ‘sunna of Allah’<sup>13</sup>, the Arabs found no difficulty in accepting that the law of Allah was a reality. At the opportune time when Arabs’ mind was prepared to accept the supremacy of God, the Qur’an claimed that the ‘sunna of Allah’ was eternal and binding, hence to be followed. At the same time, it reminded there of the fate of earlier people who had shown arrogance and disobeyed the fixed laws.<sup>13</sup> The expression سنه الاولين was used to convey this

In certain contexts, *sunna* referred to the social and religious rites of the community. Similarly, the moral and legal usages of pre-Islamic Arabia were also expressed by the term '*sunna*'. The institutions of marriage, divorce and other family relations were part of the Customs followed by the Arabs. The details of many such legal rules are found in *Kitāb al-Muḥabbar* of Ibn Ḥabīb who calls these institutions '*sunan*', the plural of '*sunā*,' and mentions them under the title :

السنة التي كانت الجاهلية سنتها - فبقي الاسلام بعضها وأسقط بعضها

As the author, under this heading, mentions only the legal matters, it appears that '*sunna*', was used to denote the legal customs of the pagan society.

The term '*sunna*' also denoted the general practice of the Community. Bukhārī, for instance, reports : " Among the three Categories of people who are cursed by Allāh are those who seek in Islam the '*sunna* of the Jāhiliyya'.

مبتغ في الاسلام سنة الجاهلية

The word '*sunna*' used here refers to the cumulative practices of the pagan society.

Having discussed various shades of its meaning, let us now consider the Contents and scope of *sunna*. Ever since pre-Islamic era, the *sunna* underwent gradual changes and its scope widened with the passage of time.

In the beginning, the Arabs adhered strictly to the customary practices of their tribes. They clung to the customs of their forefathers and felt great pride in so doing. We find a number of references in the Qur'an where the Meccans

## MEANING AND SCOPE OF SUNNA A CONCEPTUAL STUDY

Dr. Imtiaz Ahmed.

(Associate Professor, Deptt. of Islamic Learning, Universtiy  
of Karachi)

In itself the word 'sunna' is colourless, meaning merely 'a practice'—good or bad<sup>1</sup>, approved or disapproved<sup>2</sup>. Thus using the word 'sunna' in this sense, the pre-Islamic poet Khālid b. 'Utba . says :

فاول راض سنه" من يسيرما

فلا تجز عن من سنه" انت سرتها

meaning, "Do not be hesitant about the sunna you have introduced, for the first person to be satisfied with the sunna is the one who practised it for the first time."

We find occasional mention of '*sunnat hasana*' or '*sunnat Khayr*' (good practice) and '*sunnat sayyi'a*' or '*sunnat sharr*' (bad practice) where the word *sunna* has been used in the sense of practice in general. Thus the expressions '*sunnat Umar*'<sup>4</sup>, '*sunnat ibn Futanin*'<sup>5</sup> and '*sunnat Abi Bakr*'<sup>6</sup> refer to the practice—religious, social or political—of the persons named.



## REFERENCES.

- وما أرسلناك الا رحمةً للمعلمين
1. 21 ; 107
  2. The Prophet says :  
ان أكرمكم عند الله أتقكم  
من لم يرحم صغيرنا و لم يوقر كبيرنا فليس منا انصراخاك ظالما او مظلوماً -  
ارحموا من فى الارض يرحمكم من فى السماء
  3. Chapter on *Hijjat al-wida'* in any book of the *ahadith*. Also *Ta'rikh-i-Tabari* and *Sirat Ibn Hisham*.  
كان خلقه القرآن
  - 4.
  5. 60 : 6  
لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة
  6.  
لا يؤمن أحدكم حتى يحب لآخيه ما يحب لنفسه
  7. 5 : 59 Also  
الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون
  8.  
المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده
  9. *Qur'an*, 2 : 124. Also  
ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون
  10. Like: Introduction of Islamic Law in Pakistan; and the successful Islamic revolution in Iran.
  11. *Qur'an*, 3 : 106  
واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا
  12.  
خير الناس من ينفع الناس

teachings of the Prophet of Islam ; and a fresh start is being made in this direction. Some important changes are taking place in and around the muslim world.<sup>10</sup>

Sayyidina Muhammad was a man who lived for others—and we have no alternative but to do the same—he brought mankind out of the darkness of ignorance to the light of knowledge, out of the abode of selfishness to the paradise of selflessness.

The muslims these days face considerable challenges from all directions ; and unless we close our ranks and hold-fast to the rope of Allah—the holy *Qur'ān* and *Sunnah* of the holy Prophet—we would be confronted with still more challenges. Let us, therefore, resolve to meet these challenges with utmost integrity and unity. We must foil the efforts of the anti-muslim forces positively by closing our ranks—and this I do not say just because I am prejudicial to non-muslims, but because I consider Islam such a way of life which has the capacity of relieving humanity of its complex problems not only in this world but in the Hereafter also. Only then would we be able to suggest more effectively remedies for the trouble chaos, uncertainty and confusion that the people of the world find themselves in. Only then would we be able to make our voice heard in the community of nations : and only then would we, according to the saying of the holy Prophet, be useful and helpful to mankind.<sup>12</sup>

The Prophet of Islam laid great emphasis on righteous conduct in our daily life. For instance, there is his famous saying : 'None of you can become a true believer unless he likes for his brother—the other muslim—what he likes for himself ?<sup>6</sup> The meaning of this saying is quite clear—as none of us would like to be insulted, abused, exploited, and wronged, why then do we try to disgrace, maltreat, and exploit others. Look at the lofty meaning of this saying of the holy Prophet which, if followed in its entirety, could make this material world the happiest place to live in, and no question of dissatisfaction and fear would arise for mankind.<sup>7</sup>

In another saying, the holy Prophet says : ' A true muslim is he from the wrongful effects of whose hands and tongue other muslims are safe and secure.'<sup>8</sup> In this *hadith* the prophet of Islam commands us to be as harmless as we, as human beings, can afford to be. Keeping in view this saying of the holy Prophet, let us think for a while and see how harmless we human being are in this so-called 'advance and civilized age. Do we not build ourselves at the expense of others ? Do we not always prefer our personal interests to those of national interests ? If so, it is because we are ignoring the commands of the holy Prophet, and thus creating for ourselves difficulties for which the modern material world cannot suggest effective remedies.<sup>9</sup>

It is known to all of us that up till now we have been offering mere lip-service to the teachings of the Prophet of Islam ; and have made no collective efforts to put these teachings into practice. But I am happy to note that there is emerging—and has emerged—, gradually, a general realization towards the

O people ! listen and obey, though a mangled Abyssinian slave is appointed your Amir, provided he executes the book of Allah amongst you.

O people ! No prophet would be raised after me.

Verily I have left amongst you that which will never lead you astray—the Book of Allah and my Sunnah, which if you hold fast you shall never go astray. And beware of transgressing the limits of religion, for it was the transgression of the proper bounds of religion that brought destruction to many nations before you.’<sup>3</sup>

Let me now enumerate a few more important aspects of the Prophet’s character and teachings which, if seriously followed could solve the current complex problems that the multi-lingual and multi-racial community of the muslim as well as non-muslim world is facing to-day.

We must follow the holy Prophet in all aspects of our daily life. Following the holy Prophet and his sunnah means following the dictates of the holy *Qur’ān*. This has best been described by Ḥaḍrat ‘A’ishah in her famous saying : ‘The prophet’s character is the embodiment of the holy *Qur’ān*.<sup>4</sup> In a verse of the holy *Qur’ān*, Allah says : ‘There is certainly for you in the Prophet’s life good examples to be followed.’<sup>5</sup> But unfortunately, teachings of the holy Prophet have been cast aside and refuge is sought in secular ideologies which have got nothing to offer to a civilized world except exploitation and destruction.

Godfearing. There is no superiority for an Arab over a non-Arab and for a non-Arab over an Arab, nor for the white over the black nor for the black over the white except in consciousness.

O people ! verily your blood, your property and your honour are sacred and inviolable, as the sacred inviolability of this day of yours this month of yours and this very town of yours. Verily you will soon meet your Lord and you will be held answerable for your actions.

O people ! You have got certain rights over your women and your women have certain rights over you.

Behold ! It is not permissible for a woman to give anything from the wealth of her husband to anyone but with his consent.

Treat they women kindly, since they are your helpers Fear Allah concerning them, for you have taken them on the security of Allah and have made their persons lawful unto you by words of Allah.

All debts must be repaid, all borrowed property must be returned gifts should be reciprocated and a surety must make good the loss to the assured.

Beware ! No one committing a crime is responsible for it but himself. Neither the child is responsible for the crime of his father nor the father is responsible for the crime of his child.

O people ! Every muslim is the brother of other muslim, and all the muslims form one brotherhood. And see that you feed your slaves with such food as you eat yourselves, and clothe them with the clothes that you yourselves wear.

## WHAT MUHSIN-I-INSANIYYAT DID FOR HUMANITY?

Dr. Said Ullah Qazi

(Associate Professor, Deptt. of Islamiat, Peshawar University)

I deem it a great honour and privilege to convey to humanity in general and believers in particular a few important aspects of Sayyidina Muhammad's (P. b. u. h) teachings, a prophet who is a blessing for the entire universe. As Allah says in the holy *Qur'an* : ' And We have not sent thee but a blessing to the nations.'<sup>1</sup>

Sayyidina Muhammad was a kind of man whose contribution to the cause of humanity is that he broke completely the barriers of caste, colour, tribe, and geographical boundaries ; and introduced the sublime concept of universal brotherhood of Muslims based on love for the youngsters, respect for the elders, sympathy with the wronged, kindness to all living beings, and on the observance in our daily life of the divine code of conduct revealed to him.<sup>2</sup> His last famous sermon on the mount of Arafat bears strong testimony to it. He said : ' O you people ! Allah says : ' O people! We created you from one male and one female and made you into tribes and nations, so as to be known to one another. Verily in the sight of Allah, the most honoured amongst you is the one who is most

“The spirit was liberated from prejudice, man’s will was set free from the ties which had kept it bound to the will of other men or other so-called hidden powers. Priests, false guardians of mysteries, workers of salvation, all those who pretended to be mediators between God and man and consequently believed they had authority over other people’s will fell from their pedestals.

“Man became the servant of God alone and towards the other men he had only the obligation of one free man towards other free men. While previously men had suffered from the injustices of social differences, Islam proclaimed equality among human being. Each Muslim was distinguished from other Muslim by reason of birth or any other factor not connected with his personality, but only by fear of God, his good deeds, his moral and intellectual qualities.”

### KIND AND BENOVOLENT

Concluding she emphasizes the most human aspect of the Prophet’s character-his kindness and unprecedented benevolence. She says :

“Muhammad as a preacher of the religion of God was gentle and merciful even towards his personal enemies. In him were blended justice and mercy, two of the noblest qualities which the human mind can conceive. It is not difficult to support this with many examples that are to be found in his biographies. One of his biographers says, that he was accustomed to give his order to his soldiers, “Spare the aged, the women and the children ; refrain from demolishing the homes of those who do not resist you, do not destroy their means of sustenance ; do not destroy fruit trees and do not touch palm trees.”

in raids on Syria and 'Iraq with no lasting consequences. These qualities fall into three groups.

“ First there is Muhammad’s gift as a seer.....

“ Secondly, there is Muhammad’s wisdom as a state-man.....

“ Thirdly, there is his skill and tack as an administrator and his Wisdom in the choice of men to whom to delegate administrative details.....”

In the end he concludes : “ The more one reflects on the history of Muhammad and of early Islam, the more one is amazed at the vastness of his achievement. Circumstances presented him with an opportunity such as few men have had, but the man was fully matched with the hour. Had it not been for gifts as seer, statemen, and administrator and, behind these, his trust in God and firm belief that God had sent him, a notable chapter in the history of mankind would have remained unwritten.”

### CHARGES REPUDIATED.

Prof. Laura Veccia Vaglieri, an Italian lady scholar, is perhaps the greatest among all the Western admirers of Prophet Muhammad. In her book “ An Interpretation of Islam,” translated from Italian by Dr. A. Caselli, she has tried to dispel the various accusations and charges levelled against the Holy Prophet by some dishonest and biased writers of the Western world. Referring to the achievements of Prophet Muhammad as a Prophet she says :



domestic life, many weeks would lapse without a fire being kindled on the hearth of the Prophet... He delighted in the taste of milk and honey; but his ordinary food consisted of dates and water. Perfumes and women were the two sensual enjoyments ... Their incontinence was regulated by the civil and religious laws of the Koran, their incestuous alliances were blamed; the boundless licence of polygamy was reduced to four..... their rights both of bed and of dowry were equitably determined; the freedom of divorce was discouraged, adultery was condemned as a capital offence and fornication, in either sex, was punished with an hundred stripes, Such were the calm and rational precepts of the legislator."

#### HERO AS A PROPHET.

Thomas Carlyle was one of the great admirers of Prophet Muhammad. Under the Chapter on "the Hero as a Prophet," Carlyle in his "*Hero and Hero—Worship*" has expressed his profound appreciation of the Prophet's personality.

#### GENERAL ASSESSMENT.

One of the most prominent biographers of the holy Prophet, Prof. W. Montgomery Watt, making a general appraisal of the holy Prophet's personality and achievements in his "*Muhammad at Medina*" reproduced almost *verbatim* his later work "*Mohammad, Prophet and Statesman*" writes:

"There was nothing inevitable or automatic about the spread of the Arabs and the growth of the Islamic community. Without a remarkable combination of qualities in Muhammad it is improbable that the expansion would have taken place, and the military potential of the Arabs might easily have spent itself

## HUMAN ASPECT

A great many of the Western Scholars have been attracted by the human aspect of the Prophet's personality. G. E. Von Graunebaum, in his "*Muhammadden Festival*" has referred to this particular aspect saying :

" To himself, Muhammad was but the Messenger of the Lord, the Executor of His will. He is made of the same clay as every other man. He will die like other men. ' Muhammad is only a messenger, before him the messengers have passed away. If then he dies or is killed, will you turn your heels ? If any one turns back upon his heels, he will not harm Allah at all. (The Qur'an 3 : 144)

Similarly enumerating some of the traits of the Prophet's character, Rev. V. C. Badley, in his "*The Messenger*" has also referred to this aspect of the Prophet's qualities.

Edward Gibbon is also impressed by this shade Prophet's personality, and has in detail dealt with this characteristic feature of the Prophet's character in his "*The History of the Decline and Fall of the Roman Empire*" He writes :

" The good-sense of Muhammad despised the pomp of royalty ; the Apostle of God submitted to the menial office of the family, he kindled fire, swept the floor, milked the ewes and mended with his own hands his shoes and his woolen garment. Disdaining the penance and merit of an hermit, he observed, without effort or vanity, the alestemious diet of an Arab and a soldier. On solemn occasions he feasted his companions with rustic and hospitable plenty; but in his

## HISTORICAL PERSONALITY

Some of the Western biographers of the Holy Prophet (Peace be upon him) have particularly emphasised his historical personality, as this is at least one of the many aspects in which no other Prophet can vie with him. Rev. Bosworth Smith, for example, in his "*Muhammad and Muhammadanism*" has tried successfully to prove Prophet Muhammad's superiority over all the other Prophets in this respect.

Some of the Western writers have been enamoured by the simplicity of the Prophet's life in spite of possessing both temporal and religious authority at a time. Rev. Bosworth Smith refers to this aspect of the Prophet's personality in the following Words :

"Head of the State as well as of the Church, he was Caesar and Pope in one ; but he was Pope without the Pope's pretensions, and Caesar without the legions of Caesar. Without a standing army, without a bodyguard, without the palace, without fixed revenue, if ever any man had the right to say that he ruled by a right Divine, it was Muhammad for he had all the power without its instruments and without its supports. He rose superior to the titles and ceremonies, the solemn trifling, and the proud humility of court etiquette... "Muhammad was content with the reality ; he cared not for the dressings of power. The simplicity of his private life was in keeping with his public life. ' God ' says Al-Bokhari, ' offered him the keys of the treasures of the earth, but he would not accept them.'

its founder. Prof. Tor Andrae in "*Mohammad, the Man and His Faith*," has very aptly remarked: "The concepts of the period of Enlightenment permitted a just estimate of Mohammad's personality. In their naive fashion the thinkers of this period after evaluated the outstanding wisdom and virtue of ancient lawgivers and founders of religions, and stressed the reasonableness of alien faiths, praising them at the expense of Christianity. De Boulainvilliers had written a Life of Mohammad with the avowed purpose of demonstrating the superiority of Islam to Christianity. He portrayed Mohammad as a wise and enlightened lawgiver, who sought to establish a reasonable religion in place of the dubious dogmas of Judaism and Christianity.

"The same attitude is expressed in Savary's translation of the Koran, which was published in 1752. He regards Mohammad as one of those unusual personalities occasionally appearing in history, who remake their environment and enlist men in their triumphant train. Savary thinks that anyone studying Mohammad's career must marvel at the achievements of which human genius is capable when circumstances are favourable."

#### SINCERITY OF MISSION

Joseph Schacht in his article, "*Mohammad*", in the *Encyclopaedia of Social Sciences* has also emphasized the Prophet's sincerity of mission while delineating the various aspects of his personality.

H. A. R. Gibb, in his "*Mohammedanism*," has alluded to the interplay of genius and environment while dealing with the 'creative personality' of the Prophet. He looks upon the Prophet as 'a reflection of the real man.'

The "Declaration" issued by the Catholic Church on the relationship of the Christian Church to non-Christian religions about fifteen years ago would have been received with the utmost chagrin and extreme remonstrance in the purely religious circles, if only it were issued, say half a century ago. The Vatican document is a piece of sincere desire of co-existence, as instead of perfunctory ostentations, every word of it gives a pleasant and profound satisfaction to its reader, where it says :

"Upon the Muslims, too, the Church looks with esteem. They adore one God, living and enduring, merciful and all-powerful, Maker of heaven and earth, and Speaker to men. They strive to submit wholeheartedly even to His inscrutable decrees, just as did Abraham, with whom the Islamic faith is pleased to associate itself. Though they do not acknowledge Jesus as God, they revere him as a Prophet. They also honour Mary, his Virgin Mother, at times they call on her, too, with devotion. In addition they await the Day of Judgement. when God will give each man his due after raising him up. Consequently, they prize the moral life and give worship to God, especially through prayer, alms-giving and fasting." The Document of Vatican, London 1966, II, P. 663.

### AGE OF ENLIGHTENMENT

In this age of Enlightenment, when the entire gamut of human relationship is being subjected to review and re-adjustment and new vistas of inter-communication are emerging from the ashes of anti-pathies and rivalries, a favourable change is distinctly visible in the Western outlook towards Islam and

that probably Muhammad, "the Prophet of the Religion of Islam" is the person who has been subjected to the most unjust and baseless accusations. 'It is tragic to observe that without doubt the most frequent yet roughest road along which Westerners have travelled to meet the Muslim Near East has been that of religion. Here the entail of the heritage of suspicion, misunderstanding, hostility, and even hatred has been so large that in comparatively recent times only has this highway of cultural inter-communication afforded the man of the West any true and profound understanding and appreciation of Islam as the religion of his counter-part in the Near East.

### AGE OF CRUSADES

It was during the Middle Ages when an open war had ensued between Islam and Christendom that all sorts of blasphemies were invented against the Holy Prophet and a horribly distorted picture of Islam was painted by the venomous writers of the West. This hostility culminated when the storm of savage fanaticism, called the "Holy Wars" in the annals of Christendom, burst in all its fury over the firmament of Islam. The centuries of the Crusades are the most shameful and the most disastrous in the history of the West, insofar as even now with lapse of half a millenium the distrust and disgust created in the Western mind has not been entirely removed.

With the birth of the modern age, of religious tolerance and freedom of thought, a new era of research and insight has dawned upon the world, engendering a keen desire to appreciate all that is right and good in whatever quarter of the human experience and conscience.

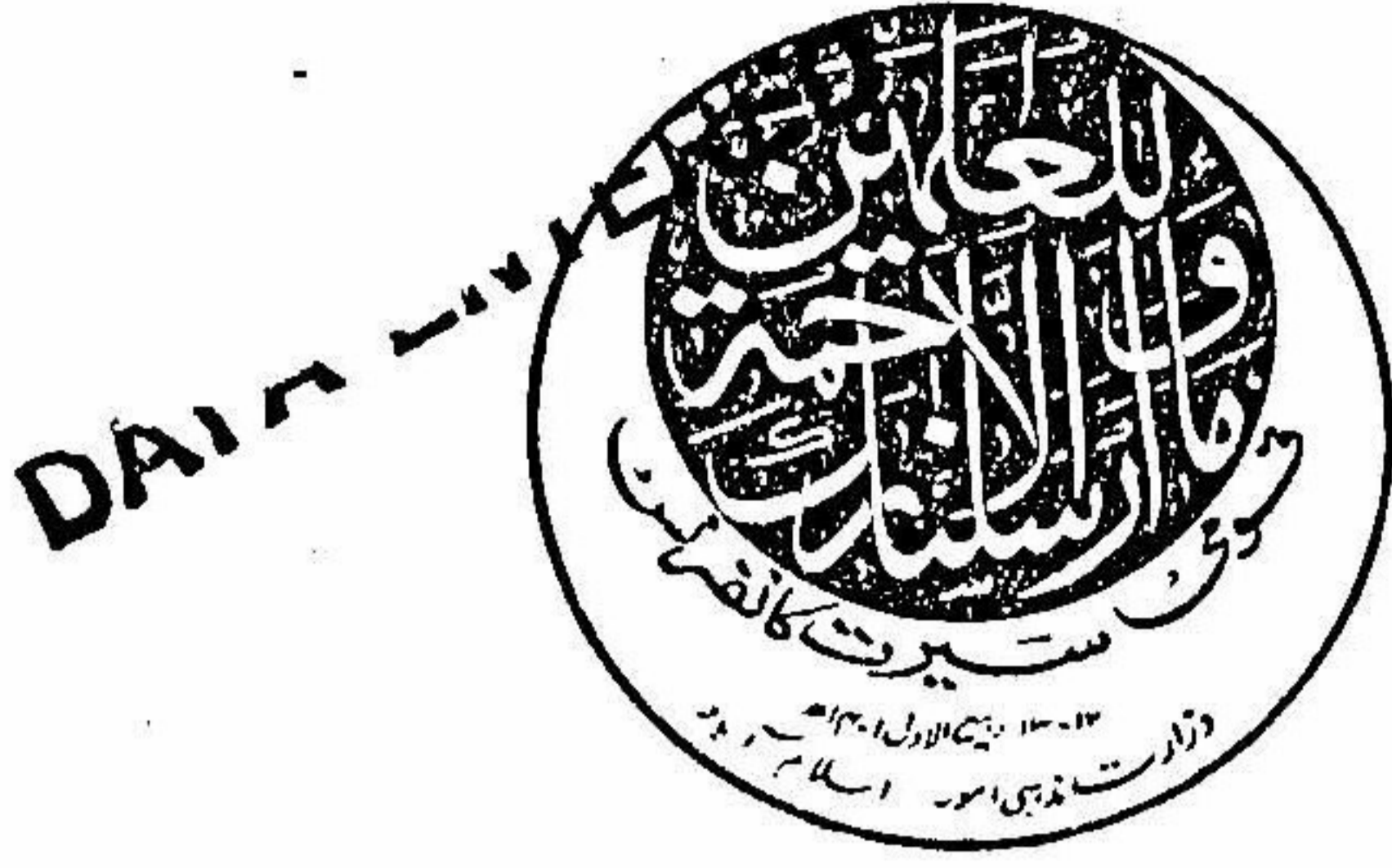
## PROPHET MUHAMMAD'S IMPACT ON THE WEST

Dr. Syed Ali Raza Naqvi

(Reader, Islamic Research Institute, Islamabad).

The personality of the Holy Prophet Muhammad, May peace be upon him, is so vigorous, penetrating and transcendental that it has crossed the barriers of time and space. The passage of time has only enhanced the freshness, clarity and depth of his impact on believers as well as non-believers, while with the lapse of several centuries his image has assumed a more distinct and purified form than ever before. The impact of the character and personality of the holy Prophet in the West has been slow and gradual. In the long course of history, it has traversed a thorny path of inveterate disgust and bigotry. Through the passage of time it has undergone incredibly different vicissitudes. From the most relentless tornado of scathing criticism, in course of time, it came to assume a somewhat milder type of sympathetic and tolerant attitude. With the advent of a rational and healthy climate and the consequent mitigation of mistrust and inordinate mutual abhorrence, the real impact of this great benefactor of humanity is by and by crystallising into a more definite and tangible form.

If, however, we look back at the picture of the Prophet of Islam as painted in the West a little more than a century ago, we find it full of deep shadows which fills even many an optimistic observer with despair. Roystone Pike has rightly remarked



# مقالہ سیرت

پانچویں قومی سیرت کانفرنس

۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ  
۲۰۱۹ جنوری ۱۹ء



شعبہ تحقیق و مراجع

وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان  
اسلام آباد

۱۲